ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۶۲
جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۲

ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ = فروری ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEFWAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۴-اسلامی معاشرے کی بنیاد	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۶
۵-اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق	محمد اسلم مبارک پوری	۱۱
۶-رسول ﷺ کی برزخی زندگی.....	ابوالبیان رفعت سلفی	۱۵
۷-علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ.....	حافظ عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۲۰
۸-اسلام میں تحائف کی اہمیت..	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۲۶
۹-واقعۂ کربلا کی حقیقت	مولانا مفتی محمد عبیداللہ عفیف	۳۰
۱۰-منکرین عذاب قبر کے.....	فرید احمد خورشید احمد	۳۹
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۳-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)
(فقہی کتابیں یا کتب حدیث)

(۲۰) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

ایک دور وہ آیا جب صرف فقہ کی بات ہوتی تھی ،فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، منطق اور مناظرہ کے اصول یاد کرائے جاتے۔ اللہ اپنی رحمت نازل کرے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم پر، محمد بن عبدالوہاب، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ پر، سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے شاگردوں پر، انہوں نے بتایا کہ دین فقہ میں نہیں بلکہ کتاب اللہ اور احادیث رسول میں ہے، پھر اس راستہ پر امت چل پڑی، اور ان کتابوں کی تلاش اور ان کی طباعت کا اہتمام ہونے لگا اور وہ بہت سے نوادرات جو کتب خانوں میں قلمی صورت میں پردہ خفا میں پڑے تھے مکتبات میں علوم حدیث کے پیاسوں کے لیے آنے لگیں، مدارس کے نصاب میں تبدیلی آئی، کتب حدیث پر توجہ دی جانے لگی۔ اور الحمدللہ آج دنیا جان چکی ہے کہ صحیح اسلام فقہ کی کتابوں میں نہیں جہاں مسائل کا استخراج ہے بلکہ کتاب اللہ اور احادیث رسول میں ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کا بیان اور صحیح اسلام ہے۔

کیا اب بغیر حدیث کے حوالہ کے کوئی مسئلہ قابل قبول مانا جاتا ہے؟.....نہیں مانا جاتا۔ ایک مقلد بھی اپنے اصول سے ہٹ کر مجبوراً حدیث کا حوالہ دینے لگا ہے، اور بہت سے مختلف فیہ مسائل اور غیر دینی رسم ورواج پر بھی کسی نہ کسی طرح قرآن کی آیات اور حدیث کے نام سے جواز کی صورت پیدا کی جاتی ہے۔ ایسے حالات میں کتب احادیث کی تنقیح اور صحیح حدیث کا انتخاب سب سے اہم اور نیک کام ہے، کیونکہ احادیث کی کتابیں بہت ہیں اور ان میں جو روایتیں منقول ہیں اس کے رواۃ مختلف ہیں، جن کے حالات کے مطابق صحیح حدیثوں کو الگ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے شیخ محمد ناصر الدین البانی پر جن کو اگر اس دور کا مجدد کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، انہوں نے بہت سی کتابوں پر پرانے علماء کرام کی کتابوں کی مدد سے صحیح وضعیف کا حکم لگایا۔ اور الحمدللہ اس نہج پر کام ہونے لگا اور بہت سے مسائل اور غیر اسلامی طریقے جو ضعیف حدیثوں کی بنیاد پر رائج ہیں ان کی حقیقت اور ان کا بدعت ہونا واضح ہونے لگا۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں ضرورت ہے کہ صحیح دین کی تلاش میں فقہی اور مسلکی تعصب سے اٹھ کر اسلام کے صحیح احکام کو جانا جائے۔ آج بڑے بڑے کتب خانوں میں مراجع ومصادر کی کتابیں موجود ہیں، شعبۂ تحقیق وافتاء میں کام ہو رہا ہے، مسائل کی تنقیح وتحقیق کا کام پہلے سے آسان ہو چکا ہے۔ ایسے حالات میں نماز وحج کے مسائل میں جو لوگ صحیح احادیث کی روشنی میں حق کو تلاش کرتے ہیں اور حق معلوم ہونے پر اس پر عمل کرنا شروع کرتے ہیں یہ حق کی طرف رجوع ہے اور انتشار نہیں ہے اور نہ ہی امت میں افتراق ہے، ایسی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں، جنہوں نے دین کو فرقوں میں بانٹ رکھا ہے، اور جو مسلکی تفرقہ چاہتے ہیں اور دینی اتحاد نہیں چاہتے کیا ان کو معلوم نہیں کہ جنت میں لے جانے والا راستہ ایک ہی ہے.....چار.....یا بہتر نہیں۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے ہر اس شخص کو دعا دی ہے جو آپ کی بات سنے، اس کا اہتمام کرے اور دوسروں تک پہونچائے۔

نضر الله عبدا سمع مقالتي فوعاها وحفظها ثم أداها إلى من لم يسمعها الخ۔

(جاری)

درس حدیث

بچوں کونماز کی تربیت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ، وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشَرَ، وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ (سنن ابوداود، ح:۴۹۵، سندہ حسن، ریاض الصالحین، ح:۳۰۱)

ترجمہ: عمرو بن شعیب سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان کے والد اپنے دادا سے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھنے پر انہیں ضرب لگاؤ جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور ان کے بستروں کو الگ کردو۔

اولاد کی تربیت والدین کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے، کتاب وسنت کے نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں، دینی شعائر، حلال وحرام کی تمیز، طہارت ونماز کے احکام، کھانے پینے اور لباس کے آداب کی تعلیم بچوں کو سن شعور سے ہی دینا چاہیے تاکہ بچپن سے ہی وہ ان احکام کی اہمیت کو جانیں اور ان پر عمل کریں۔

مذکورہ بالا حدیث میں بھی اس بات کی اہمیت کو بتلایا گیا ہے، مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ سات سال کی عمر میں بچے بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں، تعلیم گاہ کا ماحول اور جدید تفریحی وسائل کم سنی میں ہی بچوں کو بہت سی باتوں سے متعارف کرادیتے ہیں تو کیوں نہ اسی عمر سے ان کی دینی تربیت کا اہتمام کیا جائے اور اقرار شہادتین کے بعد اسلام کے سب سے اہم رکن نماز کی ترغیب دی جائے بلکہ انہیں ساتھ لے کر مسجد جایا جائے اور مسجد لے جانے سے پہلے مسجد کے آداب اور احترام سکھلایا جائے تاکہ ان کا مسجد میں جانا مصلیان کے لیے تشویش کا باعث نہ ہو، اگر بچہ ذرا اور بڑا ہو جائے اور ترغیب کے باوجود نماز نہ پڑھے تو پھر اس کے ساتھ سختی برتی جائے، ضرورت پڑنے پر ہلکی پھلکی ضرب بھی لگائی جائے، مگر ایسی بھی نہیں کہ جو اسے نماز اور نمازیوں سے متنفر کردے، اسی طرح اس عمر میں یعنی جب وہ دس سال کا ہو جائے اس کے بستر کو بھی الگ کردیا جائے یا اس سے پہلے ہی اگر والدین اس کے حرکات وسکنات سے ایسا کرنا ضروری سمجھیں، اس کے لیے اس کے بالغ ہونے کا انتظار نہ کیا جائے، بلکہ بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی اسے عصمت وعفت کی حفاظت کی اہمیت بتلا دی جائے۔ واضح رہے کہ بستروں کے الگ کرنے کا مطلب صرف لڑکے اور لڑکیوں کے بستروں کو الگ کرنا نہیں ہے بلکہ لڑکے کے بستر کو لڑکے کے بستر سے اور لڑکی کے بستر کو لڑکی کے بستر سے الگ کرنا ہے، اس لیے لڑکے کے بستر کو تو لڑکی کے بستر سے بدرجہ اولی الگ کیا جائے گا۔

دس سال کی عمر میں عام طور پر بچوں کے اندر جنسی شعور پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اب تو وہ اس عمر میں ہی اور آگے کی باتوں کو جاننے یا جاننے کی جستجو رکھتے ہیں، اس لیے اس عمر میں والدین کی معمولی تساہلی بھی کبھی بڑی چوک ثابت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے انہیں بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات اس عمر کا انحراف بچوں کو ایسی راہ پر گامزن کردیتا ہے جہاں سے ان کو لوٹ کر آنا بہت مشکل بن جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ والدین اس شرعی حکم کی اہمیت اور اس میں پوشیدہ حکمت کو سمجھیں اور اپنے بچوں کو ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کریں جس سے ان کی عصمتیں محفوظ رہیں۔

☆☆☆

افتتاحیہ

سال نو کی آمد اور امید کی کرنیں

سال ۲۰۱۴ء کا آغاز ہے، ملک اور ملت دونوں کے حالات ایک دوسرے سے قدرے مختلف نظر آرہے ہیں، جہاں ایک طرف امید کی کرنیں نظر آرہی ہیں، وہیں دوسری طرف تیرگی اور مایوسی ہے، ملک کے حالات نے کروٹ لی ہے، سیاسی شعور رکھنے والی عوام اب عملی سیاست میں آرہی ہے، تاکہ ملک بدعنوانی سے پاک ہوکر تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن رہے، نیز اس کی باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں ہو جو اسے ہر سطح پر استحکام فراہم کرے تاکہ اس کا شمار ترقی پذیر کے بجائے ترقی یافتہ ملکوں میں ہونے لگے۔

اس ملک کی ترقی کو جو داخلی عوامل نقصان پہنچا رہے ہیں ان میں بدعنوانی سرفہرست ہے، ذاتی مفاد کے لیے سسٹم سے ہٹ کر کام کرنا اتنا عام ہوگیا کہ اب یہی سسٹم بن گیا، برسراقتدار پارٹیاں اصلاح کی باتیں تو کرتی ہیں، لیکن اس اصلاح کے لیے جس موثر اقدام کی ضرورت ہے اس کی عملی شکل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ماضی قریب میں ملک کے ایک بزرگ سماجی خدمت گذار نے بدعنوانی کے خلاف ملک گیر تحریک چھیڑی، دیکھتے ہی دیکھتے پورا ملک اس کی حمایت میں کھڑا ہوگیا اور سبھوں نے بیک زبان بدعنوانی کو اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا، اس تحریک نے بدعنوانی کے خلاف ملک کو بیدار اور متحد کردیا، اسی تحریک سے جڑی بعض شخصیتوں نے ایک سیاسی پارٹی تشکیل دے ڈالی اور ملک کی مرکزی ریاست کا اقتدار بھی اس کے ہاتھ میں آگیا۔ شاید اس کی وجہ اس سیاسی پارٹی کی مقبولیت اتنی نہیں ہے جتنی بدعنوانی سے نفرت اور اس کی جڑوں کو اس ملک سے اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ سیاسی پارٹی عوام کی امیدوں پر کتنی پوری اترتی ہے اور سسٹم کی اصلاح کے لیے کیا اقدامات کرتی ہے اور یہ اقدامات کتنے موثر اور دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔

ملک سے بدعنوانی کو دور کرنا اگرچہ آسان نہیں ہے لیکن اسے ناممکن بھی نہ سمجھا جائے۔ حکومت کے جرأت مندانہ فیصلے اور عوام کا تعاون ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے، البتہ اس کے لیے حزب مخالف کو بھی اپنا بے لوث تعاون پیش کرنا ہوگا اور ملک کے مفاد کو پارٹی کے مفاد پر مقدم رکھنا ہوگا، صرف ووٹ کی سیاست کے لیے عوام کے جذبات کا استحصال کرنے کے بجائے ملک کی ترقی کے لیے برسراقتدار پارٹی کا تعاون کرے تاکہ ترقی واصلاح کے عمل میں کوئی بھی رخنہ پیدا نہ ہو۔ سیاسی پارٹیوں کے اگرچہ اپنے اپنے اہداف اور طریقۂ کار ہیں لیکن ملک کی ترقی اور اس کے داخلی اور خارجی امور سے متعلق ایک متحدہ پالیسی ہونی چاہیے، تاکہ حکومتوں کے بدلنے کے بعد یہ پالیسیاں تبدیل نہ ہوں اور نہ ہی ان مسائل میں حکومت کو سیاسی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے، البتہ اس کے لیے ملک کے جمہوری مزاج اور دستور سے بھی رہنمائی لینی ہوگی اور بین الاقوامی حالات میں متوقع تبدیلی کی رعایت بھی کرنی ہوگی۔

بدعنوانی سے متعلق اگر چہ مرکز نے قانون وضع کر کے اسے پارلیمنٹ سے منظور کرالیا لیکن ضرورت اس بات کی ہے اس سے متعلق مرکز سے لے کر ریاستوں تک متحدہ پالیسی ہو اور اس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

بدعنوانی کی طرح ملک جن دوسرے بڑے مسائل سے دوچار ہے عوام کو ان کے بارے میں حساس اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ ملک کے لیے اپنا تعاون پیش کر سکیں۔

ملک کی نئی سیاسی بیداری امید افزا ہے، اگر اس بیداری کے پیچھے ملک سے محبت اور عوام کی خدمت کا جذبہ کار فرما ہے تو یہ اس ملک کے لیے نیک فال ہے۔

جہاں تک ملت اسلامیہ کا تعلق ہے تو حالات مایوس کن ہیں، مسلکی منافرت عروج پر ہے، بارہ ربیع الاول کی تقریبات میں بعض مقامات پر جس طرح تشدد آمیز وارداتیں ہوئیں ان کی اس کے علاوہ اور کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

ایک اللہ، ایک رسول، ایک کلمہ اور ایک قبلہ کے ماننے والوں کے دل اتنے بٹے ہوئے ہیں کہ ان مواقع پر بھی ہم دوسروں کو طنز وتعریض کا نشانہ بنائے بغیر نہیں رہتے بلکہ ان تقریبات کے انعقاد کا مقصد ہی گویا امت کے درمیان تفریق کی نمائش اور اپنی الگ شناخت کا اظہار ہے، کیا جڑ کی مضبوطی کی بغیر شاخ کو مضبوطی اور توانائی حاصل ہوسکتی ہے، یہ غیر منطقی سوچ ہے، امت کی طاقت اس کی وحدت میں ہے اور امت کی وحدت کو نقصان پہنچانا امت کو نقصان پہنچانا ہے۔

ایک جو ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

امت کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو بعض اختلافات اصولی ہیں بعض فروعی، بعض ذاتی مصالح کو لے کر ہیں تو بعض سیاسی مصالح کو لے کر۔ کہیں اقتدار کی رسہ کشی ہے تو کہیں مالی منفعت کار فرما ہے۔ الغرض کوئی اختلاف ایسا نہیں ہے جسے دور نہ کیا جاسکے اور کوئی اختلاف ایسا نہیں جو افتراق اور گروہ بندی کا جائز سبب بنے، لیکن برا ہو شیطان لعین کا جو ان اختلافات کو ہوا دیتا ہے اور چنگاری کو شعلہ بنا دیتا ہے۔

کیا مسلکی منافرت ہی اس ملک میں امت کا مقدر بن کر رہ گئی تا کہ اس کی کوئی طاقت اور وزن نہ رہ جائے اور دن بدن یہ دوسروں کے رحم وکرم کی محتاج بنتی چلی جائے، اپنوں کو مضبوطی فراہم کرنے کے بجائے دوسروں سے سہارے کی بھیک مانگے، امت کے تانے بانے کو درست کرنے کے بجائے اغیار کا آلہ کار بن کر اسے اور الجھا دے۔ یقین جانیے اس امت کو فرقہ وارانہ منافرت اور تشدد میں مبتلا رکھنا اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم ملت کے اتحاد کی خاطر مسلک کے مفادات کو قربان کر دیں، فروعی مسائل کا اختلاف دلوں کے بٹنے کا سبب ہرگز نہ بنے اور وحدت ملت کا سودا ہم کسی سے کسی بھی حالت میں نہ کریں تا کہ امت کی شان وبان قائم رہے اور اس کا فیض اس کے ہر فرد کو پہنچے۔ یا لیت قومي يعلمون۔

☆☆☆

خطبۂ حرم

اسلامی معاشرے کی بنیاد

ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

حمد وصلاۃ کے بعد:

برادران اسلام! آپس میں مصالحت کرو، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأَصْلِحُواْ ذَاتَ بِيْنِكُمْ وَأَطِيْعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''اور آپس میں باہمی اصلاح کرلو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اگر تم مومن ہو''۔(۱)

اسلام کی اہم ترین تعلیمات میں سے ایک خصوصی تعلیم اخوت اسلامی اور آپس میں بھائی چارے کی ہے۔ بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہر چند دنیا کے رشتوں کی حیثیتیں اور نوعیتیں جدا جدا ہیں لیکن سب سے زیادہ پائدار اور دائمی محبت کا ضامن رشتہ اسلامی اخوت کا رشتہ ہے، جس کی بنیاد دین حنیف پر قائم ہے۔ یہ حالات وحوادث سے متاثر ہوسکتا ہے نہ زمان ومکان سے ماند پڑسکتا ہے، بلکہ دنیا بھر کے مختلف علاقوں اور گوشوں میں پھیلے ہوئے فرزندان توحید اس دین اسلام کی بدولت ایک ایسی محکم لڑی میں پروئے ہوئے ہیں جسے نہ آندھیاں ہلاسکتی ہیں نہ طوفان ختم کرسکتے ہیں۔ یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی حیثیت ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء جیسی ہے، رسول اکرم ﷺ نے کیا خوب ارشاد فرمایا:

"إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا".

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تھامتا اور مضبوط بناتا ہے''۔(۲)

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى".

''مومنوں کی مثال باہمی محبت، رحمت اور ہمدردی میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو باقی سارا جسم اس کے لیے بیداری اور بخار کی اذیت محسوس کرتا ہے''۔(۳)

برادران اسلام! اسلامی بھائی چارے کی مثال ایک درخت کی مختلف شاخوں جیسی ہے جو ایک ہی جڑ سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں اور اس کی گھنی چھاؤں میں رنگ، نسل، علاقائی، لسانی، قبائلی اور کنبہ برادری کی تمام عصبیتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ سب

(۱) الأنفال:۸:۱۔ (۲) صحیح البخاری، حدیث:۴۸۱، وصحیح مسلم، حدیث ۲۵۸۵۔
(۲) صحیح البخاری، حدیث:۶۰۱۱، وصحیح مسلم، حدیث:۲۵۸۶۔

مسلمان ایک ہی اسلامی علَم کے سائے میں جگہ پاتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے''۔(۱)

اسلامی معاشرے کی بنیاد عقیدے پر ہے اور اس بنیاد پر قائم ہونے والا رشتہ حسب ونسب اور دوسرے تمام رشتوں اور تعلقات سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ مادی اغراض اور ذاتی لالچ سے بالاتر ہوکر اس دینی اخوت کے تقاضے نبھائے، دوسروں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات رکھے، اپنے لیے جو چیز پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے، دوسروں کی خوشی اپنی خوشی اور دوسروں کا غم اپنا غم بن جائے۔ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے۔ اسلام سے پہلے ہماری جو حالت تھی اس کے پیش نظر یہ ناقابل تصور تھا کہ ہم ایک وحدت میں اکٹھے ہوجائیں گے اور ہماری قوت اتنی مضبوط ہوسکے گی کہ دشمن خوفزدہ ہوجائے۔ اس وقت کے حالات میں یہ بھی ناممکن تھا کہ ہمیں کبھی حکومت اور شان وشوکت مل جائے گی لیکن یہ سب کچھ ہوا اور کیسے ممکن ہوا؟ یہی اخوت اسلامی ہے جو اسلام نے عطا کی ہے۔ اسلام نے ہمارے دل ودماغ میں اس کی اہمیت اس قدر راسخ کردی کہ ہم آپس میں ایک دیوار کی طرح جڑ گئے، ہم ایک امت کے طور پر ابھرے اور ہم نے ایک طاقت ور قوم کی حیثیت سے مردانہ وار آندھیوں کا منہ پھیرا، طوفانوں کا مقابلہ کیا، صحراؤں کو عبور کیا، سمندروں کا سینہ چیرا، پہاڑوں کو روندا، مخالفین کے حملے ناکام بنائے اور ظالم قوتوں کے ہاتھ توڑ کر باطل کے سارے حربے بے کار کردیے۔ یہ سب کچھ اس اسلامی بھائی چارے کی بدولت ممکن ہوا جس کی بنیاد رسول اکرم ﷺ نے رکھی۔ اس اخوت نے ناقابل فراموش حیرت انگیز مثالیں پیش کیں، جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان اس اخوت کو قائم کرتے ہوئے ایک مہاجر کا ہاتھ ایک انصاری کے ہاتھ میں تھما دیا کہ آج سے یہ تمہارا بھائی ہے، ان دونوں کے درمیان سوائے اسلام کے اور کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس انصاری نے بھی اس رشتے کو ایسے نبھایا کہ دنیا اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی، یہ انصاری اس اجنبی مہاجر کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے گھر لے گیا۔ اپنی زندگی کا سارا سرمایہ اس کے سامنے خود پیش کردیا اور کہا: اے میرے بھائی! یہ میرا گھر ہے، یہ میرا باغ ہے، یہ میری جائداد ہے۔ یہ..... یہ..... یہ.....تم آج سے اس ساری جائداد کے نصف حصے کے مالک ہو!!

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

(۱) الحجرات: ۴۹: ۱۳۔

''اور (یہ مال ان کے لیے ہے) جنہوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین کی ہجرت) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود انہیں سخت ضرورت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(۱)

لیکن اس کے بعد ہمارے اعمال بدلے، ہماری حالت بدلی، دین سے محبت کی جگہ ہم دنیا کی ہوس کا شکار ہوئے، ایمان کی حلاوت جاتی رہی۔ ہم مادی لذتوں میں ڈوب گئے، دور اندیشی کے بجائے ناعاقبت اندیشی میں مبتلا ہوئے، خود تدبر کرنے کے بجائے دوسروں کی سازشوں کی زد میں آ گئے، پھر ہماری قوتیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے لگیں۔ حالت یہ ہوگئی کہ غیر تو غیر ہم خود اپنوں ہی سے دست بہ گریبان ہوگئے، بھائی بھائی کا دشمن بنا، قریبی رشتے دار ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے، دنیا کی محبت نے ہمیں ہر ایک سے بے گانہ کر دیا، ایک ہی خاندان کے کئی ٹکڑے ہوگئے۔ بھائی نے بھائی کو دنیا کی ہوس کی خاطر اپنا شکار بنایا، ہم نے گھریلو مسائل کے حل کے لیے قانونی دروازوں پر دستک دی، عدالت سے انصاف کی بھیک مانگنے لگے، پولیس سے مدد طلب کرنے لگے اور یہ سب کچھ اسی فانی دنیا کے لیے ہوا۔ کہیں زمین کا جھگڑا تو کہیں زر پرستی کی لڑائی، زمین اور زر کی محبت نے اپنوں سے جدا کر دیا۔ ایک دوسرے پر جانیں نچھاور کرنے والے سلام دعا سے بھی کترانے لگے، عزیز ترین رشتہ داروں میں دوریاں پیدا ہوئیں، خونی رشتے داروں کے ہاں بھی آمد و رفت موقوف ہوگئی بلکہ ٹیلی فون کے ذریعے بھی خیریت معلوم کرنے کو عار سمجھنے لگے، سالہا سال سے جاری یہ عداوت کسی بڑے سبب سے نہیں ہوئی بلکہ آپس میں محض چند جملوں کی تکرار کا نتیجہ تھی، جگری دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے، پڑوسی پڑوسی کے لیے پرایا بن گیا، بچوں کے کھیل کود میں جھگڑے کی وجہ سے بڑے آپس میں جھگڑ پڑے، حالانکہ بچے چند لمحوں کے لیے کھیلے، لڑے اور پھر سے کھیلنے کے لیے اکٹھے ہوگئے مگر ان کے بڑوں نے اس چھوٹے سے مسئلے کو بڑا بنا دیا حتی کہ مستقل دشمنی اور نقل مکانی کی نوبت آ پہنچی۔

کیا یہی اہل ایمان کی محبت اور پہچان ہے؟ کیا یہی اخوت اسلامی کا نمونہ ہے؟ کیا ہم تک رسول رحمت ﷺ کے وہ الفاظ نہیں پہنچے کہ آپ نے فرمایا:

"ولا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام"۔

''کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بات چیت چھوڑ دے، دونوں ملتے ہیں لیکن یہ ایک طرف پھر جاتا ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ اور ان میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے''۔(۲)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

"أنصر أخاك ظالما أو مظلوما"۔

(۱) الحشر: ۵۹:۹۔ (۲) صحیح البخاری، حدیث: ۶۰۷۷، وصحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۰۔

''تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم (ظالم کا ظلم کے خلاف ہاتھ پکڑ لو اور مظلوم سے ہمدردی کرو)''۔(۱)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تعرض الأعمال في كل اثنين وخميس، فيغفر الله عز وجل، لكل عبد لا يشرك به شيئا إلا المتشاحنين، يقول الله للملائكة: ذروهما حتى يصطلحا".

''انسان کے اعمال ہر پیر اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں، ہر اس بندے کو اللہ تعالی بخش دیتا ہے جس نے اس کے ساتھ شرک نہ کیا ہو مگر وہ دو بھائی جن میں عداوت چلی آ رہی ہے۔ اللہ تعالی فرشتوں کو حکم دیتا ہے: انہیں اس وقت تک کے لیے چھوڑ دو جب تک کہ آپس میں خود مصالحت نہ کر لیں''۔(۲)

عزیز بھائیو! اگر ہماری آپس ہی میں یہ حالت ہوگی تو ہم دوسرے مسلمان بھائیوں کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے غریب ہماری ہمدردی کے منتظر ہیں۔ بہت سے بھوکے ہیں جو فقر و فاقے کی زندگی گزار رہے ہیں اور ہماری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ جو اپنا تن ڈھانکنے کے لیے ضرور لباس سے بھی محروم ہیں، وہ ہمارے فالتو کپڑوں کے پلندوں اور کپڑوں سے بھری الماریوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جو ہم سے زیادہ دور نہیں رہتے لیکن ان کی فریاد ہم تک کیوں نہیں پہنچ رہی؟ ان کی پکار سے ہم کیوں غافل ہیں؟ بظاہر ہماری طرف سے یہ ان مجبوروں اور بیکسوں کے لیے معمولی سی ہمدردی ہوگی لیکن اللہ رب العالمین کے ہاں اس کا اجر بہت زیادہ ہوگا۔ یہ اخوت اسلامی کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ میری تمام بھائیوں سے گزارش ہے کہ اپنے سخاوت کے ہاتھوں کو تنگ نہ کرو، اپنی دعاؤں میں اپنے بھائیوں کو ضرور یاد رکھو اور یقین کرو کہ اللہ کی راہ میں دی جانے والی کوئی چیز معمولی اور حقیر نہیں۔

ہمارے وہ بھائی جو سرزمین معراج (فلسطین) میں اپنی جواں مردی اور جرأت و بہادری سے حالات کے آگے سینہ سپر ہیں اگر ان کی مالی مدد نہیں کر سکتے تو کیا ان کے لیے دعائے خیر بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالی وہ دن جلد دکھائے کہ ارض مقدسہ غاصب کے تسلط سے آزاد ہو۔

﴿وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾۔ ''اور اللہ کے لیے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں''۔(۳)

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

''مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور تم اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔(۴)

اللہ تعالی ہم سب کو قرآن مجید کی برکت سے مالا مال کرے اور ہم سب کو رسول اکرم ﷺ کے طریقے پر چلنے کی

(۱) صحیح البخاری، حدیث: ۲۴۴۳۔ (۲) صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۵، ومسند احمد: ۲۶۸/۲، واللفظ لہ، والطیالسی، حدیث: ۲۵۶۵۔
(۳) ابراہیم: ۱۴: ۲۰، وفاطر: ۳۵: ۱۷۔ (۴) الحجرات: ۴۹: ۱۰۔

سعادت عطا فرمائے۔اللہ ہماری مغفرت فرمائے۔

لوگو! اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ جان لو کہ تقوی کا لازمی جزء یہ ہے کہ ہم اللہ کی رضا کی خاطر بھائی چارے کا عملی مظاہرہ کریں۔اپنے اندر اس بات کی عادت ڈالیں کہ دوسروں کے لیے بھی ہم وہی پسند کریں جو ہم خود اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ امام یحییٰ الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

"ليكن أقل حظ المؤمن منك ثلاث: إن لم تنفعه فلا تضره، وإن لم تفرحه فلا تغمه، وإن لم تمدحه فلا تذمه".

''تمہارے ذریعے مسلمانوں کو کم سے کم تین فائدے پہنچنے چاہئیں:

(۱) اگر تم کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔

(۲) اگر کسی کو کوئی خوشی نہیں دے سکتے تو غم بھی نہ دو۔

(۳) اگر کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو برائی بھی نہ کرو۔''(۱)

نوٹ کر لیجئے! اگر ہم اسلامی اخوت کے رشتے کو کمزور کریں گے تو ہمیں ذلت، رسوائی اور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ بھلا ہم اس رشتۂ اسلامی کو کمزور کر کے کامیابی کیسے حاصل کر سکتے ہیں جبکہ دشمنان اسلام اپنی صفوں کو متحد کر رہے ہیں، جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُواْ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ إِلاَّ تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِيْ الأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾۔

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا''۔(۲)

میرے بھائیو! آپس کی دشمنیوں، نفرتوں اور کدورتوں سے توبہ کرو، آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ اور دوست بن جاؤ۔ یہی تمہاری سلامتی اور ترقی کا راز ہے، یہی تمہاری نجات کا راستہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس گفتگو کو سننے کا فائدہ ابھی، اسی وقت فوری طور پر ہوگا، اگر کسی کی آپس میں ناراضی ہے تو وہ اٹھیں اور ایک دوسرے کو گلے لگا لیں۔ جو اس کار خیر میں پہل کرے گا، اجر وثواب میں وہی سبقت لے جائے گا، زندگی کے لمحات گنے چنے اور محدود ہیں۔

﴿وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلا تَعْقِلُونَ﴾۔

''اور جو اللہ کے پاس ہے وہی بہتر اور پائدار ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟''(۳)

درود وسلام پڑھیے رسول رحمت، ہادی امت، رہبر ورہنما حضرت محمد ﷺ پر۔ ☆☆☆

(۱) جامع العلوم والحکم لابن رجب، ص:۲۹۴۔ (۲) الأنفال:۸:۷۳۔

(۳) القصص:۲۸:۶۰۔

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق

محمد اسلم مبارک پوری

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين إحسانا وبذي القربى واليتامى والمساكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت أيمانكم﴾ (النساء:۳۶)

(ترجمہ) اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، پہلو سے لگے ہوئے دوست، مسافر، غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ (بھی) اچھا برتاؤ کرو۔

مذہب اسلام ایک عالم گیر اور آفاقی مذہب ہے، ہر ایک اعتبار سے مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہ ایک ایسا دین ہے، جس میں ہر ایک کو اس کا کامل حق عطا کیا گیا ہے۔ إن الله أعطى كل ذي حق حقه۔ (۱) اللہ تعالی نے ہر حق والے کو اس کا پورا حق دے دیا ہے۔

مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، شہری ہو یا دیہاتی معاشرہ کے ہر افراد کے ساتھ ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیتے ہوئے آپس میں بھائی چارگی، عدل ومساوات اور صلح وآشتی کا درس دیتا ہے۔ اپنے خویش واقارب کے ساتھ احسان اور اچھے سلوک کے علاوہ پڑوسیوں اور ہم سایوں کے ساتھ بھی خوش گوار تعلقات کی دعوت دیتا ہے، پڑوسیوں کے ساتھ نرمی اور اچھے برتاؤ کا مذہب اسلام میں کتنا اہم مقام ہے، اس حدیث نبوی سے آشکارا ہوتا ہے:

"ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه" (۲)

جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے بارے میں مجھے ہمیشہ نصیحت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ عنقریب ہی اسے وارث بنا دیا جائے گا۔

پڑوسیوں کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ اللہ احکم الحاکمین کے یہاں خاص مقام ومرتبہ حاصل کرنے کا عمدہ اور بہترین ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "خير الأصحاب عند الله تعالى خيرهم لصاحبه، وخير الجيران عند الله تعالى خيرهم لجاره" (۳) اللہ تعالی کے یہاں ساتھیوں میں سب سے بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں سب سے بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔

---

(۱) ترمذی (۲۱۲۱) یہ روایت صحیح ہے۔ صحیح الترمذی (۱۷۲۲)۔

(۲) متفق علیہ، بخاری (۶۰۱۴) مسلم (۲۶۲۴)۔

(۳) صحیح الجامع (۶۸۱۷، السراج المنیر) سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۱۰۳)۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک ایمان کا اہم حصہ ہے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا ایمان کی دلیل ہے، ارشاد نبوی ہے: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه" (۱) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ پڑوسی کو اذیت وتکلیف نہ دے، اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کے ساتھ ظلم وتعدی، اور ایذاء رسانی حرام اور ایمان کامل کے منافی ہے۔ جس انسان میں یہ برائیاں ہیں، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایمان کی برکات سے محروم ہے، اس کا ایمان بے ثمر درخت کی طرح یا اس پھول کی طرح ہے جو خوشبو سے محروم ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے پڑوسی کے ساتھ زیادتی کو دخول جنت سے دوری، اور دخول جہنم کا سبب بتایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه" (۲) وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

بوائق کے معنی ہیں: دسیسہ کاریاں اور شرارتیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ یہ بھی ہے کہ انہیں موقع بموقع تحفہ دیا جائے اور تقریبات میں انہیں بلایا جائے۔ انہیں نیک کام کی رہنمائی کی جائے اور منکرات سے روکا جائے۔ تحفہ لینا، اور دینا دل سے کینہ کپٹ کو ختم کرتا ہے اور محبت واخوت کے بیج بوتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے ان کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا: يا أبا ذر إذا طبخت مرقة فأكثر ماءَ ها، وتعاهد جيرانك۔ (۳) اے ابوذر! جب تم شوربہ والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوسی اگر غریب ومسکین اور محتاج ہوں تو انہیں نظر انداز کرکے خود ہی سب کچھ کھا پی جانا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے، بلکہ تاکید ہے کہ ایسے غریب پڑوسیوں کا خیال رکھو، اور محض اپنے کام ودہن کی لذت ہی سامنے مت رکھو، بلکہ اگر توفیق زیادہ نہیں ہے تو سالن میں پانی کا اضافہ کرکے اس میں سے ہی کچھ ان کو دے دو۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالی نے تمہیں صاحب حیثیت بنایا ہے تو اس کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس میں تجاہل یا تغافل سے کام مت لو۔ لہذا اس بندھن کو مضبوط رکھنے کے لیے پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہا کریں۔ امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق۔ غریب یہ نہ سوچے کہ معمولی چیز کیا ہدیہ کروں؟ اس کا معمولی سا ہدیہ بھی عنداللہ قبول ہوگا، ارشاد ربانی ہے: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره﴾ جو ذرہ برابر نیکی اور بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ البتہ امیر اور صاحب ثروت کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ دے اور بخالت سے کام نہ لے۔

(۱) متفق علیہ، بخاری (۵۱۸۱۵، ۶۰۱۸) مسلم (۴۷)۔
(۲) بخاری (۶۰۱۶) مسلم (۴۶)۔
(۳) مسلم (۲۶۲۵)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "یا نساء المسلمات لا تحقرن جارة لجارتها، ولو فرسن شاة" (۱) اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی ہدیہ کمتر نہ سمجھے، اگر چہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اگر انہیں ہماری دیواروں میں کیل گاڑنا ہو تو اس سے منع نہیں کرنا چاہئے بشرطیکہ مستقبل میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ یہ چیز ﴿ویمنعون الماعون﴾ کے زمرہ میں داخل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یمنع جار جاره أن یغرز خشبة في جداره" کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی (یا کیل) گاڑنے سے نہ روکے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما لي أراكم عنها معرضين کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اس حکم سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اس کو تمہارے درمیان ضرور پیش کروں گا۔ (۲)

اس حکم کی تاکید اور اہمیت ان بستیوں میں سامنے آتی ہے جو جھونپڑیوں اور خیموں پر مشتمل ہوں، یا ایسے علاقہ میں جہاں اب بھی دو پڑوسیوں کے درمیان دیوار ایک ہی ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ اصول ضرور ملتا ہے کہ پڑوسیوں کے معاملہ میں انسان کو بدمزاج اور تنگ دل نہیں ہونا چاہیے کہ ایک کیل کا ٹھونکنا یا ایک لکڑی کا گاڑنا بھی اسے ناگوار ہو، بلکہ بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ صرف ٹھک ٹھک کی آواز سے ہی مشتعل، لڑنے جھگڑنے اور خصم وجدال پر آمادہ ہو جاتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس پڑوسیوں کے ساتھ باہم ہمدردی اور تعاون کا معاملہ ہونا چاہیے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت ملتی ہے۔ ان روشن تعلیمات کے ہوتے ہوئے ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ (خواہ کوئی بھی ہو) رحم دلی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں، اپنے قول و کردار، گفتار و اعمال کے ذریعہ انہیں تکلیف نہ پہنچائیں۔ ان سے مخاصمت پر آمادہ نہ ہوں۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے دامن عفو میں جگہ دیں اور آئندہ تکلیف نہ پہنچانے کا عزم کریں، کیونکہ پڑوسی کا ایک رخ جو بڑا ہی خوش کن اور باعث خیر ہے تو دوسرا رخ باعث تکلیف اور ورطہ حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إن أول خصمین یوم القیامة: جاران" (۳) قیامت کے دن سب سے پہلے آپسی جھگڑے کا مقدمہ پیش کرنے والے دو پڑوسی ہوں گے۔

ہمیں پڑوس میں رہنے والی عورتوں کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہیے، ان کو بری نگاہ سے دیکھنا، ان کے عیوب دوسروں سے بیان کرنا، دل میں ان کے بارے میں برا ارادہ رکھنا یا اس سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ عشق و معاشقہ کرنا گناہ کبیرہ اور گھناؤنا فعل ہے، اس کا گناہ کتنا بڑا ہے، اس حدیث رسول ﷺ میں ملاحظہ فرمائیے: آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ما تقول في الزنا" تم لوگ زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: "حرام حرمه الله ورسوله

(۱) بخاری (۲۵۶۶، ۶۰۱۷) مسلم (۱۰۳۰)۔
(۲) بخاری (۲۴۶۳) مسلم (۱۶۰۹)۔
(۳) صحیح الجامع (۶۸۲۰، السراج المنیر) مشکاۃ المصابیح (۵۰۰۰)۔

فهو حرام إلى يوم القيامة" زنا قیامت تک حرام ہے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لأن يزني الرجل بعشر نسوة أيسر عليه من أن يزني بامرأة جاره۔ (۱) آدمی دس عورتوں سے زنا کرے یہ زیادہ آسان ہے کہ وہ اپنی پڑوسن سے زنا کرے۔

اس حدیث میں پڑوسن کے ساتھ زنا کرنے اور حرام کاری کرنے کی شدید قباحت کا ذکر ہے۔دوسری حدیث میں اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: أي الذنب أعظم؟ قال: أن تجعل لله ندا وهو خلقك، قلت: ثم أي؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك، قلت: ثم أي؟ قال: أن تزاني حليلة جارك (۲) کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرو حالانکہ اللہ تعالی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔میں نے کہا: پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے لڑکے کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے۔پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی پڑوسن سے زنا کرو۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ صرف مسلم پڑوسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والے کے ساتھ بھی ہے، کیونکہ جار کا اطلاق عام ہے۔ واسم الجار يشمل المسلم والكافر والعابد والفاسق والصديق والعدو والغريب وغيرهم۔ (۳) جار کا اطلاق مسلم، کافر، عابد، فاسق، دوست، دشمن اور اجنبی سب کو شامل ہے۔

سورہ نساء کی مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے پہلو سے لگے ہوئے ساتھی (جیسے بیوی، کام کا ساتھی وغیرہ) کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت تاکید آئی ہے۔آیت کریمہ میں ایک پڑوسی اسے بھی شمار کیا گیا ہے۔اور ایک پڑوسی وہ بھی ہے جو آپ کے ساتھ مصروف عمل ہے۔آفس میں آپ کے ساتھ کام کرتا ہے، آپ کے ساتھ درس وتدریس سے منسلک ہے اور آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ایک پڑوسی وہ بھی ہے جو آپ کا روم پاٹنر ہے۔آپ کے ساتھ کمرہ میں رہتا ہے۔ان سب سے بھی حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ان کے ساتھ بھائی چارگی اور مودت ورحمت ضروری ہے تاکہ خوش گوار فضا قائم ہو، دل اچاٹ نہ ہو، اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں مدد ملے۔

آج بہت سے لوگ پڑوسیوں کا خیال نہیں رکھتے۔ان کے ساتھ احسان نہیں کرتے۔اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا، اختلاف، حق تلفی اور قول وفعل کے ذریعہ ایذاء رسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔زندگی کا مزہ کرکرا بنے رہنے کے ساتھ تناؤ برقرار رہتا ہے، حالانکہ یہ چیزیں حرام ہیں۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔اور مسلمانوں کے باہمی انتشار، دلوں کی نفرت اور ایک دوسرے کی عزت وناموس کو نقصان پہچانے کا باعث بھی ہے۔مسلمانوں کو ان سب سے بچنا چاہیے۔اور کتاب وسنت کی بتلائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔اسی میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔

اخیر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے کی توفیق دے، ایک دوسرے کے شر سے بچائے، ایک دوسرے کا حامی اور مددگار بنائے، آمین۔ ☆☆

(۱) مسند احمد (۸/۶) صحیح الجامع (۶۸۱۹، السراج المنیر)۔

(۲) بخاری (۴۴۷۷، ۷۵۲۰)۔ (۳) الموسوعۃ الفقہیۃ (۲۱۸/۱۶)۔

رسول ﷺ کی برزخی زندگی قرآن وحدیث کی روشنی میں

ابوالبیان رفعت سلفی/ فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ایمان اور عقیدہ کی اصلاح کرے، اور وہی عقیدہ اختیار کرے جو نبی ﷺ اور صحابہء کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عقیدہ تھا، اگر کوئی مسلمان غیر اسلامی عقیدہ کے ساتھ پوری زندگی عبادت الٰہی میں مصروف رہے پھر بھی وہ اللہ رب العالمین کی جنت کا مستحق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث صحیحہ میں بڑی کثرت سے جملہ اعمال صالحہ کی قبولیت کے لئے سب سے پہلی شرط ایمان وعقائد کی اصلاح ہی کو قرار دیا ہے، مثلاً ارشاد ربانی ہے: لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِيْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِيْ الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ'' ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر، اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، تنگدستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے اور یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۷)

دور حاضر کے مسلمانوں میں جو عقائد باطلہ رواج پا چکے ہیں انہیں عقائد باطلہ میں سے انکار وفات رسول ﷺ کا عقیدہ بھی ہے، اس عقیدہ سے متعلق مسلمانوں میں دو نظریئے پائے جاتے ہیں۔

(۱) رسول اکرم ﷺ اپنی دنیوی زندگی گزارنے کے بعد برزخی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس برزخی زندگی کو بالکل دنیاوی زندگی کی طرح قرار دینا سراسر گمراہی ہے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد برزخ میں بھی بالکل دنیاوی زندگی کی طرح زندہ ہیں ان کی دنیاوی اور برزخی زندگی میں کوئی بھی فرق نہیں۔

قرآن وحدیث اور منہج صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روشنی میں صرف پہلا نظریہ ہی صحیح ہے، میں نے اپنے اس مضمون میں اسی پہلے نظریہ کے واضح وٹھوس دلائل کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

پہلی دلیل: ارشاد ربانی ہے: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ یقیناً خود آپ کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔ (سورۃ زمر ۳۰)

صاحب تفسیر احسن البیان مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، اس لئے نبی ﷺ کی وفات کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کے نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لئے آپ ﷺ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ (تفسیر احسن البیان ص: ۱۰۸۵)

دکتور وہبہ بن مصطفیٰ الزحیلی مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ: اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی موت کی خبر دی گئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس حقیقت سے باخبر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس دنیا میں نہیں رہیں گے بلکہ عنقریب اپنی دنیاوی زندگی گزار کر وفات پا جائیں گے کیونکہ پہلے بعض صحابہء کرام کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو موت نہیں آئے گی۔ (التفسیر المنیر للزحیلی: ج ۲۳ ص: ۲۸۶)

دوسری دلیل: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی) اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے جو سنح میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، اور اترتے ہی مسجد میں تشریف لے گئے، پھر آپ کسی سے گفتگو کئے بغیر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے اور نبی ﷺ کی طرف گئے، رسول اکرم ﷺ کو یمن کی بنی ہوئی دھاری دار چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا، پھر آپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھولا اور جھک کر اس کا بوسہ لیا، اور رونے لگے، آپ نے کہا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ پر کبھی دو موتیں جمع نہیں کرے گا، سوا ایک موت کے جو آپ ﷺ کے مقدر میں تھی پس آپ ﷺ وفات پا چکے۔

ابوسلمہ نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب باہر تشریف لائے تو عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں سے کہہ رہے تھے (**واللہ ما مات رسول اللہ** ﷺ، ''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے'') تو صدیق اکبر نے فرمایا: کہ (عمر رضی اللہ عنہ) بیٹھ جاؤ! لیکن عمر رضی اللہ عنہ نہیں مانے، پھر دوبارہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے کے لئے کہا لیکن عمر رضی اللہ عنہ نہیں مانے، آخر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا تو تمام مجمع آپ کی طرف متوجہ ہو گیا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، پھر آپ نے فرمایا: امابعد! اگر کوئی شخص تم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی، اور اگر کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ باقی رہنے والا ہے، وہ کبھی مرنے والا نہیں، اللہ پاک نے فرمایا ہے ''اور محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں اور بہت سے رسول اس سے پہلے بھی گزر چکے، پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا انہیں شہید کر دیا جائے تو تم اسلام سے پھر جاؤ گے، اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور اللہ عنقریب شکر گزار بندوں کو بدلہ دینے والا ہے'' اللہ کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آیت کی تلاوت سے پہلے جیسے لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں اتاری ہے، اب تمام صحابہؓ نے یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھ لی، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی۔ (صحیح بخاری: ۱۲۴۲۔۱۲۴۱)

تیسری دلیل: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو نبی مرض الموت میں بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت کا اختیار دیا جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی مرض الموت میں جب آواز گلے میں پھنسنے لگی تو میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے ''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ، اس لئے میں سمجھ گئی کہ آپ کو بھی اختیار دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۵۸۶)

چوتھی دلیل: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ: مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے آہستہ سے کوئی بات کہی جس پر وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ آہستہ سے کوئی بات کہی جس پر وہ ہنسنے لگیں۔ پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات اسی مرض میں ہو جائے گی، یہ سن کر میں رونے لگی، دوسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی تو یہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے گھر کے آدمیوں میں سب سے پہلے میں آپ ﷺ سے جاملوں گی تو میں ہنسی تھی، (صحیح بخاری: ۴۳۳۴،۴۳۳)

پانچویں دلیل: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہا کرتی تھیں کہ: اللہ کی بہت سی نعمتوں میں سے ایک نعمت مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے گھر میں، میری باری کے دن ہوئی، آپ ﷺ اس وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت میرے اور آپ ﷺ کے تھوک کو ایک ساتھ جمع کر دیا تھا اس طور پر کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما گھر میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی، رسول اللہ ﷺ مجھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس مسواک کو دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے آپ سے پوچھا، یہ مسواک آپ کے لئے لے لوں؟ آپ ﷺ نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا، میں نے وہ مسواک ان سے لے لی، رسول اللہ ﷺ اسے چبا نہ سکے، میں نے پوچھا آپ کے لئے اسے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا، میں نے مسواک نرم کر دی، آپ کے سامنے ایک بڑا پیالہ تھا، چمڑے کا یا لکڑی کا (راوی حدیث) عمر کو اس میں شک تھا، اس پیالے کے اندر پانی تھا، رسول اللہ ﷺ بار بار اپنے دونوں ہاتھ اس میں داخل فرماتے اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا إلٰه إلا الله موت کی بڑی شدت ہوتی ہے، پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے ''فی الرفیق الاعلیٰ'' یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے۔ (صحیح بخاری: ۴۴۴۹)

ایک دوسری روایت میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دنیاوی زندگی کے آخری دن کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتی ہیں ''اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے اور رسول اکرم ﷺ کے تھوک کو اس دن جمع کر دیا جو آپ ﷺ کی دنیا کی زندگی کا سب سے آخری اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن تھا۔ (صحیح بخاری: ۴۴۵۱)

چھٹی دلیل: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ: شدت مرض کے زمانے میں جب نبی کریم ﷺ کی بے چینی بے حد بڑھ گئی تو فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کہا'' آہ! ابا جان کو کتنی تکلیف ہے، اس پر رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا'' آج کے بعد تمہارے ابا جان پر کوئی بے چینی نہیں ہوگی'' جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے فرمایا'' ہائے ابا جان! رب نے انہیں بلایا تو انہوں نے رب کی پکار پر لبیک کہا، ہائے ابا جان! جنت الفردوس ان کا ٹھکانا ہے، ہائے ابا جان ہم جبریل علیہ السلام کو آپ کی موت کی خبر سناتے ہیں'' جب نبی ﷺ کو دفنا دیا گیا تو فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تمہارے دل رسول اللہ ﷺ کی نعش پر مٹی ڈالنے کے لئے کس طرح آمادہ ہو گئے؟ (صحیح بخاری:۴۴۶۲)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ حدیث مذکور کے آخری ٹکڑے'' يا انس أطابت أنفسكم أن تحثوا علي رسول الله ﷺ التراب'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا آخری قول بھی حزن وغم کے اظہار کا ایک انداز ہی ہے، ورنہ نبی ﷺ کے دفن کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ وہ تو شریعت کا حکم ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ (ریاض الصالحین اردو ج ا ص:۷۰)

ساتویں دلیل: منگل کے روز آپ ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا، غسل دینے والے حضرات یہ تھے (۱) عباس (۲) علی، عباس رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادگان (۳) فضل (۴) قثم (۵) رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام شقران (۶) اسامہ بن زید، (۷) اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم، عباسؓ، فضلؓ اور قثمؓ آپ کی کروٹ بدل رہے تھے، اسامہؓ اور شقرانؓ پانی بہا رہے تھے، علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے، اور اوسؓ نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی بس آپ ﷺ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا۔

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہؓ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کوئی نبی فوت نہیں ہوا لیکن اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا، اس فیصلے کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی، قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی، اس کے بعد باری باری دس دس صحابہء کرام نے حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا، سب سے پہلے آپ ﷺ کے خانوادہ بنو ہاشم نے نماز جنازہ پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے، نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گزر گیا اور بدھ کی رات آ گئی، رات میں آپ ﷺ کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا گیا۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں پھاوڑوں کی آواز سنی۔ (الرحیق المختوم ص:۶۳۳)

آٹھویں دلیل: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ (صحیح بخاری:۴۴۶۶)

نویں دلیل: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ: جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تیس صاع جو کے بدلے میں گروی رکھی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری:۴۴۶۷)

دسویں دلیل: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر

فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا، آؤ ہم ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کو چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کیا کرتے تھے، جب یہ دونوں ان کے پاس پہونچے تو وہ رو پڑیں، ان دونوں نے پوچھا، آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتی ہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے (دنیا سے) زیادہ بہتر ہے؟ انہوں نے جواب دیا ''میں اس لئے نہیں روتی کہ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے زیادہ بہتر ہے، لیکن میں تو اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا'' پس ام ایمن رضی اللہ عنہ نے (اپنی اس بات سے) ان دونوں کو بھی زار وقطار رونے پر مجبور کر دیا اور وہ دونوں بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (صحیح مسلم ۲۴۷۲)

خلاصۂ کلام: یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ سمیت سوائے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے تمام انبیاء پر فطری موت طاری ہو چکی ہے، تمام انبیاء وفات کے بعد اپنی برزخی زندگی گزار رہے ہیں، اور ان کے اجسام محفوظ ہیں، ''ان اللّٰہ تبارك و تعالیٰ حرّم علیٰ الأرض أجساد الأنبیاء'' بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام (علیہم السلام) کے جسم حرام کر دئے ہیں۔ (سنن ابی داؤد: ۱۵۳۱)

جن روایتوں سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی زندگی کو دنیاوی زندگی کی طرح قرار دیتے ہیں وہ سب روایتیں انبیاء کی برزخی زندگی کی وضاحت کرتی ہیں نہ کہ دنیاوی زندگی کی، مثلاً ألأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون ''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ (صحیح الجامع: ۲۷۹۰)

''مررت علی موسیٰ وهو یصلی فی قبره'' میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ۶۳۰۸)

انبیاء کی برزخی زندگی کی طرح قرار دیتے پر قرآن وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں، موت کے بعد سے لیکر قیامت تک کی زندگی برزخی زندگی کہلاتی ہے اور اس تفصیل کا علم صرف اللہ کو ہے سوائے ان باتوں کے جن کا ذکر صحیح نصوص میں وارد ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُون. اور ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے دوبارہ جی اٹھنے تک۔ (المومنون: ۱۰۰)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے برزخ کی تفسیر مین متعدد اقوال نقل فرمایا ہے (۱) امام ضحاک، مجاہد، اور ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں ''برزخ أي حاجز بین الموت والبعث'' برزخ موت اور قیامت کے درمیان کے آڑ کو کہتے ہیں۔ (۲) امام ضحاک کا ایک دوسرا قول یہ ہے ''هو ما بین الدنیا والآخرة'' دنیا اور آخرت کے درمیان والی زندگی کو برزخی زندگی کہتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی ج ۱۲ ص: ۱۵۰)

آخر میں دعا گو ہوں کہ الٰہ العالمین! تمام مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح فرما اور ہمیں ایمان کی موت نصیب فرما، آمین۔

☆☆☆

علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا طریقۂ دعوت وتبلیغ

حافظ عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

اللہ تعالیٰ نے اس عالم رنگ وبو میں مختلف صلاحیت وقابلیت والی شخصیتوں کو ہر زمانہ میں پیدا فرمایا جن میں وہ خوش نصیب افراد بھی تھے، جنہوں نے ماحول ومعاشرے میں موجود برائیوں کو دیکھا اوران کے اسباب کی جستجو کی اوران برائیوں کا سدباب کیا۔

دعوت کے میدان میں خاندان ولی اللہی نے جو جدوجہد اور قربانیاں دیں وہ ناقابل فراموش ہیں، برصغیر میں سلفیت کی داغ بیل انہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے، لیکن اس دعوت وتحریک کو پھیلانے اور عام کرنے کا سہرا علامہ محمد اسماعیل شہید کے سر بندھتا ہے، جو دعوت آپ کے آباء واجداد اپنی حویلیوں کے اندر بھی خوف کے ساتھ دیتے تھے، اس دعوت کو عام کرنے کے لئے آپ میدان عمل میں کود پڑے، شاید انہیں ردعمل کا اندیشہ تھا، جس کا سامنا انہوں (شہید) نے کیا، لیکن اشاعت دین کی خاطر انہیں اس کی پرواہ نہ تھی، کیونکہ یہ سنن انبیاء ہے اور جب بھی کوئی مصلح اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوا، اس کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا لیکن اس کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داری سے دستبردار نہیں ہوئے۔

علامہ اسماعیل شہید کا میدان عمل:

علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو اللہ نے بڑا اولوالعزم اور صابر بنایا تھا، آپ کی دعوت کسی خاص گروہ تک محدود نہ تھی، آپ ہر معاشرہ میں خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو جانا اور حتی الوسع انہیں ہدایت کی طرف بلانا اپنا فرض منصبی خیال کرتے تھے، آپ کی اصلاح عام تھی نہ صرف امراء، عوام الناس، شرفاء، رذیل بلکہ خواجہ سراؤں اور کسبیوں تک صحیح دین پہنچانا آپ کا مشن تھا، یہ الگ بات ہے کہ آپ کو اس کی وجہ سے مطعون کیا گیا، تاہم آپ کو کسی اہانت وملامت کی پرواہ نہ تھی، دعوت کے دائرے کو عام کردینا اس زمانہ میں بڑا معیوب تھا، علامہ اسماعیل شہید کی دعوت کا یہ اسلوب اگرچہ اکثریت کو ناپسند تھا، لیکن کتاب وسنت سے ہی ماخوذ تھا، اللہ نے اپنے نبی کو بھی یہی حکم دیا تھا ﴿فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين﴾ (الحجر:۹۴) اے نبی! جو حکم آپ کو کیا جارہا ہے کھول کر سنادیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔

علامہ اسماعیل شہید اور عملی دعوت کے چند نمونے:

آپ کی دعوت "ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة" (النحل:۱۲۵) کی عملی تفسیر تھی، آپ کے سوانح نگاروں نے اپنی تصانیف میں آپ کی دعوت کے بہت سے نمونوں کا ذکر کیا ہے، اگر انہیں اس موضوع کے ضمن میں اکٹھا کردیا جائے، تو ایک ضخیم مسودہ تیار ہوجائے، ہم یہاں صرف دو نمونوں کا تذکرہ کریں گے، جو آپ کی دعوت کا طریقۂ کار سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

(۱) آپ کے زمانہ میں مروجہ بدعتوں میں سے ایک بدعت حضرت فاطمہ کے نام سے منسوب تھی جو ''بی بی کی صحنک''

کہی جاتی تھی۔اس میں میدے کی میٹھی ٹکیاں تل کر مٹی کے کونڈوں میں بھر کر پاک جگہ رکھ کر کھایا جاتا تھا۔یہ صرف عورتیں کھاتی تھیں، مرد نہ کھا سکتے نہ قریب جا سکتے تھے۔قرون اولی میں اسلاف نے یہ تقریب کبھی نہیں منائی، چنانچہ علامہ اسماعیل شہید نے اس سے روکا، تو یہ ممانعت بعض جاہلوں کو سخت ناگوار گزری۔لہٰذا ایک منصوبہ بنایا گیا جس کے تحت شہزادوں نے لال قلعہ میں مولانا کی دعوت کا اہتمام کیا۔اس سے قبل وہ بڑی شہزادی صاحبہ کو مولانا کے خلاف خوب بھڑکا چکے تھے، چنانچہ مولانا تشریف لائے اور ''اماں !سلام'' کہہ کر بڑی حکمت عملی سے شہزادی کا غصہ رفع دفع کر دیا، اِدھر اُدھر کی چند باتیں کرنے کے بعد شہزادی نے کہا: ''اسماعیل! ہم نے سنا ہے کہ تم ''بی بی کی صحنک'' کو منع کرتے ہو، مولانا نے کہا: ''اماں! میں منع نہیں کرتا، بھلا میری کیا مجال کہ میں منع کروں''، شہزادی نے کہا: ''لوگ تو یہی کہتے ہیں''، حضرت مولانا نے جواب دیا: جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے، بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے اباجان منع کرتے ہیں، پھر حدیث رسول "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔(۱) مع تشریح کے سنائی اور اس سے ''بی بی کی صحنک'' کی ممانعت ثابت کی۔حق کو سنتے ہی شہزادی نے فوراً قبول کر لیا اور کہا ''ٹھیک ہے''۔اب سے کوئی عورت صحنک کرے گی تو اس حرام زادی کی ناک چوٹی کاٹ لوں گی، ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے بلکہ بی بی کے اباجان پر ایمان لائے ہیں، جب وہی منع کرتے ہیں تو ہم کیوں کریں؟(۲) بعینہٖ یہی گفتگو جامع مسجد میں ایک بڑھیا سے ہوئی۔

مذکورہ واقعہ سے آپ کے اسلوبِ دعوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، آپ کو جو بھی راستہ میں یا منزل پر روک لے، آپ رُک جاتے تھے اور اسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور یہی اسلامی شان ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ کسی ایک شخص کو ہدایت دے تو یہ آپ کے لیے سرخ اونٹ سے کہیں زیادہ بہتر ہے''۔(۳)

(۲) ایک دفعہ حضرت کسی مجلس میں وعظ کہہ رہے تھے، درمیان میں ایک مخالف اٹھ کھڑا ہوا اور مولانا شہید کو مخاطب کر کے کہا: ''مولوی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو''.....مگر آپ عفو و درگزر کے پیکر تھے، یہ گندے اور فحش ترین کلمات سن کر نہایت صبر وسکون سے جواب دیا: ''میاں! تم نے غلط سنا، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دہلی میں ابھی تک موجود ہیں''، یہ کہہ کر پھر وعظ شروع کر دیا۔(۴)

آپ دیکھیں کہ علامہ شہید کا یہ جواب مہذب اور مبنی برحق تھا، ورنہ اس کا جواب دوسرے انداز سے بھی دیا جا سکتا تھا لیکن ایک داعی کے لیے مناسب جواب وہی تھا، جو علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے دیا۔چنانچہ اشرف علی تھانوی صاحب اس واقعہ سے متأثر ہو کر یہ نصیحت کرتے ہیں: ''اس سے طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ کی تیزی وغیرہ سب دین کے لیے تھی، ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہو سکتا ہے''۔(۵)

---

(۱) رواه ابن ماجه: ح:۱۴، وصححه الألباني عليه الرحمة۔

(۲) ملخص: ارواح ثلاثہ بتوسط حیات اسماعیل شہیدؒ، ص:۷۰، بحوالہ: شاہ اسماعیل شہید از: حسین حسنی، ص:(۵۸-۶۰)

(۳) رواه البخاري في صحيحه: ح:۴۲۔

(۴) حیات اسماعیل شہید: ص/۲۵۲، بحوالہ: شاہ اسماعیل شہید: از: حسین حسنی، ص:۲۱۳۔

(۵) ارواح ثلاثہ: از: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ص:۷۰۔

دعوت وداعی کے سلسلے میں علامہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی چند بنیادی ہدایات:

یوں تو ''تقویۃ الایمان'' علامہ محمد اسماعیل شہید کی دعوت کا نچوڑ (خلاصہ) ہے، تاہم اس سلسلہ میں آپ کی کچھ قیمتی ہدایات بھی ہیں، جو ایک داعی کے لئے بڑی مفید ہیں۔ ذیل میں آپ کی کتاب ''منصب امامت'' کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں:

علامہ محمد اسماعیل شہیدؒ فرماتے ہیں: ''اظہار دعوت کا بیان یہ ہے کہ حق جل وعلیٰ اپنی حکمت کاملہ سے ان مقبولان بارگاہ (انبیاء ورسل) کو مختلف مزاج کے لوگوں کی تربیت کا سلیقہ اور فصیح کلام اور بیان بلیغ کی قوت، مقدمہ ہدایت، ایضاح تقریر، اظہار مافی الضمیر کے باب میں عطا فرمادیتا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا: ﴿واٰتینٰہ الحکمۃ وفصل الخطاب﴾ (ص:۲۰) حکمت سے مراد یہی تربیت کا سلیقہ اور فصل خطاب کا معنیٰ بیان بلیغ ہے۔ اور حضرت نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا: ﴿وقل لھم فی أنفسھم قولاً بلیغا﴾ (النساء:۶۳)

پھر انبیاء اور عقلاء کی دعوت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انبیاء ورسل اور ماہرین علم وفن کی دعوت میں دو بنیادی فرق ہیں:

اول یہ کہ ان کی دعوت کا کلام محاورات اہل عرف پر جاری ہوتا ہے جو کہ اپنے معاملات ومکالمات میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دانایانِ علم کلام ومصنفان کتب کی اصطلاحات پر جاری نہیں ہوتا کہ اپنی تحریر وتقریر کو اس کی بنا پر کریں۔ الحاصل ان (انبیاء) کی کلام دعوت کو تقریر وخطاب سے جاننا چاہیے نہ کہ اسے تصنیفِ کتاب کا قانون سمجھا جائے۔

علامہ اسماعیل شہید انبیاء وعقلاء کی دعوت میں تمیز کی دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں:

''دوسری وجہ یہ ہے کہ تربیت قوم کے باب میں ان کا حال مہربان باپ کی طرح یا دانشمند استاد کی طرح ہوتا ہے، جو اپنی تربیت کی نظر کو بیٹے کے حال کی طرف متوجہ کردیتے ہیں، جب کوئی غیر مناسب بات اس سے ظاہر ہوجائے تو اُسے محبت یا انس، ادب یا سختی، مشورے یا صلاح سے یا طبیعت ومزاج کے رنگ سے یا کبھی گزشتہ عبرت ناک قصہ سنا کر (غرض جس طرح سے ممکن ہو) اس نامناسب بات سے آگاہ کردیتے ہیں، اور اسی طرح سے جب اسے عمل مستحسن کرتے دیکھتے ہیں، لیکن اس کے طریقہ سے اسے ناواقف پاتے ہیں تو اس کے روبرو اس فعل کو احسن طور پر کرتے ہیں تاکہ اسے دیکھ کر اس کے اصول سے آگاہ ہوجائے، لیکن درسگاہوں کے معلموں کی طرح ان کی تعلیم وتبلیغ نہیں ہوتی، جو تدریس کے لئے ایک وقت مقرر کردیتے ہیں اور اسی خاص وقت پر بیٹھ کر ابواب احکام کا دورہ کرتے ہیں (نیز مختلف مسائل) خواہ فرضی ہوں یا واقعی، مسلسل شمار کرتے ہیں، یہ طریقہ دانشمندوں (۶) کا ہے تربیت کنندوں کی روش نہیں ہے، امی ہونے کی شان ان (تربیت کنندوں) پر غالب ہوتی

---

(۶) علامہ شہید ''دانشمندان فنون'' اور ''دانشمندوں'' کی وضاحت یوں کرتے ہیں: اور (دانشمندوں کو) جو کوشش واہتمام عوام الناس کو کتاب وسنت کے ظاہر وواضح احکام کی طرف دعوت دینے میں کرنا چاہیے، وہ اہتمام ماہرین فنون کے فقہ کے عجیب وغریب ونادر مسائل قیاسیہ اور علم کلام..... ودقیق اشارات کو حل کرنے کی دعوت دینے میں نہیں کرنا چاہیے (ایضاح الحق الصریح ص:۱۷) یعنی فقیہوں ومتکلموں کی تعلیم بڑی دقیق وگراں ہے جو انبیاء کی دعوت سے میل نہیں کھاتی۔

ہے(۷)،اورتعمق وتکلف سے دور ہوتے ہیں۔

مذکورہ دونوں وجہوں سے انبیاء وعقلاء کی دعوت میں تمیز واضح ہوگئی یعنی دعوت انبیاء ورسل کا بنیادی عنصر عمل وتربیت ہے،اور یہ حقیقت ہے کہ عقلاء کا طرز اس سے بہت مختلف ہے۔

دعوت کے طریقے:

علامہ شہیدؒ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے دعوت دوطرح سے ظاہر ہوتی ہے،اول: بیان حکمت۔دوم: کلام موعظت:

(۱) بیان حکمت کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ رب العزت اپنی خاص رحمت سے ان کو قوت بیان اس طرح عنایت فرمادیتا ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو دلائل و براہین، تمثیلات وتشبیہات سے اس طرح روشن کرتے ہیں کہ ان کا مدعا سامعین کی نظر میں یہاں تک ظاہر ہوجاتا ہے کہ ہر سامع کے صدق دل سے ان کی گواہی ظاہر ہوتی ہے،اگر چہ بہت سے سامعین تعصب کے سبب سے ان کا اقرار نہیں کرتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلماً وعلوا﴾ (النمل:۱۴)

(۲) کلام موعظت کا بیان یہ ہے کہ اکثر اوقات غافلوں کی بیداری، جاہلوں کی آگاہی اور پست ہمتوں کی بلند ہمتی کے لئے شوق آمیز اور وجدانگیز محبت الٰہی کا بیان، وسعتِ رحمت اور شدتِ غضب کا ذکر جن سے سامعین کے دل میں امنگ اور جوش پیدا ہوکر اس سے دل کی قساوت دور ہوکر رقتِ قلبی حاصل ہو،اگر چہ ایسے کلمات ہر زمانہ میں واعظوں کی زبان سے صادر ہوتے ہیں لیکن واعظوں کا مقصد اسی حد تک ہوتا ہے کہ رقت، جگر گداز نعرے حاضرین مجلس سے ظاہر ہوں اور انبیاء علیہم السلام کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بندگان خدا کو احکام رب العزت میں مقام اطاعت کے وسیلے کا رسوخ پیدا ہو، تا کہ ان کی تہذیب اور اصلاحِ اعمال کا باعث ہو،اسے موعظت حسنہ کہتے ہیں''۔

دعوت کا ایک تیسرا حصہ:

اور وہ جہاد ہے،اس کا بیان یہ ہے کہ (واعظین) کبھی جنگِ دشمن کو عام فہم لطیفہ سے ساکت کرتے اور موردالزام گردانتے ہیں، گواس سے اصل حقیقت آشکارانہ ہو، جیسا کہ قرآن میں ہے:﴿أ لكم الذكر وله الأنثى تلك إذاً قسمة ضيزىٰ﴾ (النجم:۲۱-۲۲) اگر چہ باری تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا سراسر باطل اور محال ہے،لیکن (کچھ لوگ) اس کے لیے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹوں کی آرزو رکھتے ہیں۔اس لیے اس لطیفہ سے انہیں خطاب کیا گیا،اس کو جدال حسنہ کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام انہی تینوں طریق کے لیے مامور ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ادع إلىٰ سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هي أحسن﴾ (النحل:۱۲۵) پس اس طریقے اور گزشتہ دونوں طریقوں کا امتیاز بخوبی واضح ہوگیا۔(۸)

---

(۷) قال رسول الله ﷺ: نحن أمة أميون لا نحسب ولانكتب.....(رواه أحمد:۲۰۴۱)قال الأرنؤوط: اسناده صحيح، ہم ان پڑھ قوم ہیں نہ حساب وکتاب سے واقف ہیں اور نہ لکھنا جانتے ہیں۔

(۸) ملخص: منصب امامت،از: علامہ اسماعیل شہیدؒ،ص:۳۶-۴۱۔

دعوت سے متعلق علامہ شہیدؒ کی اس تفصیل سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، جن کے ذریعے داعی اپنی دعوت کو اسلامی سانچے میں بخوبی ڈھال سکتا ہے۔

علامہ اسماعیل شہیدؒ نے فصل ''انبیاء کے اوصاف وکمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت'' کے ضمن میں ''اظہار دعوت'' کا مضمون بھی بیان کیا ہے جو دعوت اور داعی کے فضل کو بیان کرتی ہے(۹)۔ گویا اظہارِ دعوت انبیاء کے اوصاف وکمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ وعظ وتذکیر میں واعظ کو مخاطب کے حالات کا خیال ضرور رکھنا چاہیے نیز اس کی سمجھ وصلاحیت کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے، جاہل سے علمی گفتگو کرنے میں کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ اس کے معیار کے مطابق گفتگو کر کے اسے مطمئن کرنا چاہیے، اور جو بھی قول وعمل مقتضائے حال کے مطابق ہو وہی مناسب اور معیاری ہوتا ہے۔ ان اصولوں کی مزید وضاحت کے لیے ہم علامہ اسماعیل شہید کی کتاب ''ایضاح الحق الصریح''(۱۰) کے چند اقتباسات پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ترغیب وترہیب کی غرض سے مطلق ذکر الٰہی پر مداومت کی ترغیب دینا اور مطلق شراب پینے سے نفرت دلانا درحقیقت دین کی اشاعت کا ایک رکن ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔ رہے وہ موانع اور خارجی عوارض (جن کی وجہ سے نیک کام حرام اور برے کام جائز ہوجاتے ہیں) تو ان کی تفصیلات کا ذکر کرنا وعظ وتذکیر کی ضروریات ولوازمات میں سے نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات ان باتوں کا وعظ میں ذکر نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، مثلاً: ذکر الٰہی کی فضیلت میں بیان کی گئی آیت: ﴿الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم﴾ (آل عمران:۱۹۱) اسی طرح یہ حدیث: "لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله"(۱۱) تو اس آیت کریمہ اور حدیث شریف کا معنیٰ وتشریح بیان کرتے وقت ذکر الٰہی پر مداومت کرنے کے فضائل ومنافع کا ہی ذکر کرنا چاہیے، اس موقع پر بیت الخلاء میں ذکر الٰہی سے احتراز کرنے کا مسئلہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے......اور فتوی دیتے وقت مفتی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ مطلق طور پر جاری کردیا کرے (اسے مقید یا مشروط نہ کیا کرے) اور جب تک سائل (مستفتی) دریافت نہ کرے خارجی موانع اور بیرونی رکاوٹوں کی تفصیل بیان نہ کرے اور نہ مطلق حکم کی حلال وحرام میں تقسیم کی بابت لب کشائی کرے، بلکہ حکمِ مطلق ہی کو اصل قرار دے، اور ایسی خارجی صورتوں کو جن میں حکم مطلق خارجی عوارض (عارضی اسباب) کی وجہ سے مخفی ہوجاتا ہے شاذ کے زمرے میں داخل گردانے، مثلاً اگر کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھے کہ شراب حلال ہے یا حرام؟ تو اس کا جواب دیتے وقت اسی اجمالی سوال کی حدود تک رہے اور کہہ دے کہ ''حرام ہے''۔ ہاں! اگر کوئی بالخصوص یہ سوال کرے کہ کسی کو زبردستی......شراب پلادی جائے تو کیا

(۹) ملخص: منصب امامت، از: علامہ اسماعیل شہیدؒ ص:۵۲-۵۷۔

(۱۰) ''ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح'' وہ کتاب ہے جس کے متعلق شیخ الحدیث صاحب المرعاۃ عبید اللہ الرحمانی المبارکفوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''سنت اور بدعت میں فرق ایک مبسوط مبحث ہے، جس کے لیے ......شاہ اسماعیل شہید کے رسالہ متعلقہ احکام تجہیز وتکفین کی طرف رجوع فرماویں.....''۔ (فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری:۲/۵۳۷)

(۱۱) رواه الترمذي: ح/۳۳۷۵، وصححه الألباني عليه الرحمة.

حکم ہے؟ تو اس صورت میں اس زبردستی اور جبر واکراہ کا مسئلہ بیان کردے اور جس کو اس طرح شراب پینے پر مجبور کیا گیا ہو اس کا حال معلوم کرکے اس کے مطابق جواب دے دے، .....اور (مستثنیٰ یا مشروط کرنا) عوام کے دلوں میں مداہنت اور دینی امور میں سستی اور ڈھیلا پن پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے.....اور یہ جو جبر واکراہ کی صورت میں شراب (یا کسی شئ کے) مباح ہونے کا حکم بیان کیا جاتا ہے تو یہ بہت شاذ ونادر ہوتا ہے جس کو اصول نہیں بنایا جاسکتا (لہٰذا).....حق کا تقاضہ یہ ہے کہ حکم مطلق بیان کیا جائے۔ چنانچہ شارع (☆) کے کلام میں یہی طریقہ جاری ہے، بلکہ فقہ کے مصنفین اور فتاویٰ کے مؤلفین کے کلام میں بھی یہی روش پائی جاتی ہے، جو ہم نے بیان کی''۔(۱۲)

عوام کے سامنے مسائل کے بیان میں اس قدر محتاط ہونا چاہیے کہ جواب سوال کے حدود سے تجاوز نہ کرے مگر یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو جس کے بغیر بات مکمل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اسماعیل شہیدؒ نے مذکورہ اقتباس میں جن اہم امور کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کی تائید علماء وائمہ کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ خطیب بغدادی نے کہا: "ویجتنب أیضاً فی روایته للعوام أحادیث الرخص، وما شجر بین الصحابة والاسرائیلیات"۔(۱۳) یعنی محدث کے منجملہ آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ محدث عوام کے سامنے روایت کرتے وقت رخصتوں والی اور اضطراری حالت میں استثنائی حکم رکھنے والی احادیث بیان کرنے سے احتراز کرے، اسی طرح مشاجرات صحابہ اور اسرائیلیات کے بیان سے بھی پرہیز کرے۔

فتویٰ اور دعوت سے متعلق یہ طویل ہدایت بڑی واضح اور روشن ہیں، جس کا علامہ شہیدؒ نے اپنی کتاب میں جابجا ذکر کیا ہے، لیکن بطور نمونہ ہم اسے کافی سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب (۱۴) کی طرف رجوع کریں چونکہ علامہ شہیدؒ کا مرکزِ عمل برصغیر تھا اور ہمارا تعلق بھی اسی سے ہے، لہٰذا دعوت وداعی سے متعلق آپ کے نظریات جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی، علامہ شہیدؒ اپنی دعوت میں بڑے کامیاب تھے بلکہ اس میدان کے حقیقی شہسوار تھے، لیکن کیا اس پہلو پر ہم نے کبھی غور کیا کہ آپ کا اپنے مشن میں کامیابی کا راز کیا ہے۔ اور وہ کون سے کارگر اصول ودستور تھے جن کو اپنا کر آپ کامیاب ہوئے اور ہم بھی کامیاب ہوسکتے ہیں؟..... چونکہ آپ کی باتیں اور کتابیں برصغیر کے حالات کے مطابق ہیں، لہٰذا برصغیر میں ہمیں اپنی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے دعوت سے متعلق آپ کے اصول ونکات کو سامنے رکھنا چاہیے تاکہ دعوت کے میدان میں وہ ہمارے لئے ممد ومعاون ثابت ہوں۔ علامہ شہیدؒ کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کوئی بھی داعی جو برصغیر میں سلفی فکر کو پھیلانا چاہتا ہے وہ علامہ شہید کے لٹریچر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ ☆☆☆

(☆) بعض اہل علم نے لفظ ''شارع'' کا اطلاق رسول ﷺ پر کرنے سے روکا ہے، کیونکہ فقط ذات باری تعالیٰ ہی ایسی ذات ہے جس نے تمام شریعتوں کو مقرر کیا ہے، جیسا کہ خود اللہ کا ارشاد ہے: ﴿شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذي أوحینا.....﴾ (الشوریٰ:۱۳) جبکہ رسول ﷺ تو صرف اس کی طرف سے آنے والی وحی کو آگے پہنچانے والے ہیں (ملاحظہ فرمائیں معجم المنهی اللفظیه، ص:۳۰۴، للشیخ بکر أبی زید) ماخوذ ''صحیح تلبیس ابلیس'' علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ، ص:۲۸۰۔

(۱۲) ملخص: ایضاح الحق الصریح.....، از: علامہ محمد اسماعیل شہیدؒ، ص:۱۷۳-۱۷۸۔

(۱۳) تدریب الراوی، تالیف: علامه جلال الدین سیوطی علیه الرحمة، ج:۲، ص ۸۱-۵۸۰۔

(۱۴) منصب امامت اور ایضاح الحق الصریح.....وغیرہ۔

اسلام میں تحائف کی اہمیت اوراس کے احکام

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

مسلمانوں کے آپسی تعلقات کو خوشگوار بنانے اور مسلم معاشرے کے شیرازہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے موثر ترین ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ تحفے تحائف اور ہدایا کا باہم تبادلہ ہے، اوراسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "تهادوا تحابوا" (۱) آپس میں ہدیے کا تبادلہ کرو محبت بڑھے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ خود بھی ہدیہ پیش کرتے اور صحابہ کرام بھی آپ کو مختلف اوقات و مواقع پر تحفہ دیا کرتے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ہدایا مرحمت فرماتے تو میں عرض کرتا کہ "يا رسول الله أعطه من هو أحق إليه مني" اے اللہ کے رسول! آپ اسے مرحمت فرما دیجئے جو مجھ سے زیادہ حقدار ہے، تو رسول فرماتے کہ "خذه فإما أن تموّله وإما أن تصدق به" لے لو، اس کے بعد اسے اپنے مال میں شامل کرلو یا تو صدقہ کر دینا۔ اور حضرت زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، انہوں نے حضرت عمر بن خطاب کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے مجھے ہدیہ بھیجا تو میں نے اسے واپس کر دیا، تو پھر جب میں اسے لے کر نبی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ فرمانے لگے کہ "ما حملك أن ترد ما أرسلت به إليك؟" کیوں جناب! کس چیز نے آپ کو اس بات کے لیے ابھارا کہ میری پیش کی ہوئی چیز واپس کر دی؟ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی نے تو بتلایا تھا کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ لوگوں سے کچھ نہ لو، تو نبی نے بتایا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب تم لوگوں سے دست سوال دراز کرتے پھرو، لیکن اگر بلا مانگے ہوئے مل جائے تو لینے میں کیا حرج ہے، یہ تو رزق ہے جو اللہ رب العالمین نے عنایت فرما دیا۔ (۲)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے نبی ﷺ کے پاس تحفہ بھیجا تو آپ نے اسے قبول فرما لیا، پس منظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس ایک دعوتی پیغام دے کر بھیجا، تو بادشاہ نے خط کو قبول کرلیا اور حاطب کی بے حد عزت و پذیرائی کی، اور لگے ہاتھ نبی کی خدمت میں حاطب کے ذریعہ لباس اور مع لگام کے ایک خچر اور دو لونڈیاں ارسال کیا، ان میں سے ایک لونڈی ام ابراہیم تھی اور دوسری کو رسول نے محمد بن قیس العبدی کو ہبہ کر دیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ مقوقس نے رسول کی خدمت میں تین لونڈیاں روانہ کیا تھا، ان میں سے ایک ام ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ تھی اور ایک کو حسان بن ثابت کو رسول نے دے دیا تھا اور ساتھ ہی بقیہ تحائف کا بھی کچھ حصہ

(۱) صحیح الجامع: ۱/۵۷۷، حدیث: ۳۰۰۴۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۱۹۶۹۔

دے دیا تھا، اور ایک روایت جس کو ابن کثیر ہی نے آگے بیان کیا جس میں چار لونڈیوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے ایک ماریہ ام ابراہیم اور دوسری سیرین تھی جس کو آپ نے حسان بن ثابت کو دے دیا تھا، جس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔

علامہ ابن کثیر کی پیش کردہ حدیث اور بیان سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اسکندریہ کے بادشاہ نے رسول کی خدمت میں تحفہ پیش کیا تو آپ نے اس کی پذیرائی کی اور واپس نہیں کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تحفے تحائف تعلقات کو قائم رکھنے میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

نبی ﷺ جس طرح تحفے تحائف کو قبول فرماتے اسی طرح آپ نے صحابہ کو نیز اپنی امت کو بھی اس کے قبول کرنے پر ابھارا ہے اور تحفہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اس کو حقیر سمجھنے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول نے فرمایا: اے مسلم عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی کسی چیز کو قطعی حقیر نہ تصور کرے، اگر چہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔(۱)

اگر کوئی شخص کسی شخص کو ہدیہ پیش کرے اور یہ شخص اسی ہدیے کے سامان کو ہدیہ وتحفہ میں کسی اور کو دینا چاہے تو اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں، اس لیے کہ بادشاہ اکیدر نے جب نبی اکرم ﷺ کو تحفے میں گھڑا بھر گھی پیش کیا تو آپ نے اس کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔(۲) اسی طرح اسی بادشاہ نے نبی کی خدمت میں ریشمی کپڑا پیش کیا تو نبی نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: "شقه خمرا بين النسوة" اسے پھاڑ کر دو پٹہ بنا کر عورتوں کو دے دو۔(۳) اگر کوئی شخص کوئی چیز تحفہ دے تو اس کو واپس نہ کر کے قبول کر لیا جائے تا کہ آپسی ماحول خوشگوار بنا رہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "لا تردوا الهدية وأجيبوا الداعي، ولا تضربوا المسلمين" (۴) تحفہ نہ لوٹاؤ، دعوت قبول کرو اور مسلمانوں کو نہ مارو۔

قارئین کرام! اسی طرح اسلام مسلمانوں کو تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے مشرک متعلقین کو ہدایا وتحائف پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی پر ایک جامہ و چوغا دیکھا، جو بیچنے جا رہا تھا، چنانچہ حضرت عمر نے نبی سے فرمایا کہ "ابتع هذه الحلة، تلبسها يوم الجمعة وإذا جاء ك الوفد" اس چوغا کو آپ خرید لیجئے، تا کہ آپ اسے جمعہ کے روز اور جب جب آپ کی خدمت میں وفد حاضر ہو زیب تن فرمایا کریں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: درحقیقت یہ لباس وہی شخص زیب تن کرے گا جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، پھر آپ ﷺ کے پاس ان میں سے چند چوغے لائے گئے تو آپ نے ان میں سے ایک چوغا حضرت عمر کے پاس بھیج دیا، تو حضرت عمر نے کہا: "كيف ألبسها وقد قلت فيها ما قلت؟" کیسے میں اس کو زینت تن کروں، حالانکہ آپ نے تو اس کے بارے میں اس طرح کہا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "إني لم أكسكها لتلبسها" میں نے اس لیے نہیں دیا ہے تا کہ تم اسے زیب تن کرنے لگو، بلکہ ایسا کرو یا تو اسے بیچ دو یا کسی کو بطور ہدیہ

(۱) رواہ مسلم، الرقم: ۲۳۷۹، کتاب الزکاۃ۔
(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۲۰/۶، حدیث نمبر: ۳۳۴۳۱۔
(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۲۰/۶، حدیث نمبر: ۳۳۴۳۲۔
(۴) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۲۰/۶، حدیث نمبر: ۲۱۹۷۹۔

پیش کردو، چنانچہ حضرت عمر نے اس چوغے کو اپنے ایک مشرک بھائی کو بھیج دیا جو کہ مکہ میں تھا۔(۱)

ہدایا وتحائف میں استطاعت کے مطابق اچھی اور عمدہ چیز کا انتخاب کرنا چاہئے تاکہ جس کو وہ چیز پیش کی جائے اس کو پسند آئے اور ضرورت کے مطابق ہو۔

سیرت نبوی سے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر نبی ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی، راوی حدیث حضرت سہل بن سعد نے حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بردہ کون سی چادر ہوتی ہے؟ اوراس کی بناوٹ کیسی ہوتی ہے؟ موجود لوگوں نے ہاں بھرتے ہوئے کہا کہ وہی عباوجبہ نا جس کا کنارہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنا ہے، آپ ہی کو دینے کے لیے، تو آپ ﷺ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اسے قبول فرمالیا، راوی فرماتے ہیں کہ آپ اسے زیب تن فرما کر ہم لوگوں کے بیچ تشریف لائے اس حال میں کہ وہی کپڑا آپ کا ازار بھی تھا۔(۲)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص تم میں سے کسی کو ہدیہ وتحفہ میں کوئی کھانے پینے کی چیز پیش کرے اور تمہارے پاس چند اور ساتھی موجود ہوں تو اس میں سے کچھ ان لوگوں کو بھی عنایت کرکے ان کی دل جوئی کرو، خود اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول تھا، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روم کے بادشاہ نے رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں زنجبیل سے بھرا ایک گھڑا پیش کیا بطور تحفہ، تو آپ نے وہاں موجود ہر فرد کو ایک ٹکڑا کھلایا، اور مجھے بھی ایک پیس چکھایا۔(۳)

تحفے کے باب میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو تحفہ پیش کرتا ہے تو قبول کرنے والے کو بھی چاہئے کہ جو کچھ اس سے ہو سکے اس کے عوض میں پیش کرے تاکہ دونوں کی خوشی میں اضافہ ہو اور تعلقات مضبوط ہوں، خود نبی کریم ﷺ بھی تالیف قلب کے لیے ہدیہ دینے والوں کو بطور عوض کچھ دے دیتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھا کر دیتے تھے، ایک اعرابی نے ایک مرتبہ رسول کو ایک اونٹنی ہدیہ میں دیا، تو نبی نے اس کے عوض اس کو چھ اونٹنیاں دیں، تو وہ ناراض ہو گئے، چنانچہ جب اس کی خبر رسول کو ہوئی تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، اس کے بعد گویا ہوئے کہ فلاں مجھ کو ایک اونٹنی ہدیہ کرتا ہے اور میں اس کے بدلے میں چھ دیتا ہوں، پھر بھی ناراض ہو جاتا ہے، اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قریشی، انصاری، ثقفی اور دوسی کے علاوہ کسی سے بھی ہدیہ قبول نہ کروں گا۔(۴)

تحفہ قبول کرتے وقت انسان کو اللہ کا پھر ہدیہ دینے والے کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے محبت بڑھتی اور نفرت دور ہوتی ہے اور اللہ تعالی بھی اس کے شکریے کے نتیجہ میں ان دونوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۱۶۱۹، باب الہدیۃ للمشرکین۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر:۲۶۲۱۔
(۳) زادالمعاد:۳۱۹/۴۔ (۴) ترمذی، حدیث نمبر:۳۹۴۵، حدیث صحیح ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "لا یشکر الله من لا یشکر الناس" (۱) اللہ تعالی اس کا شکریہ ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

اللہ تعالی ہمیں محبت والفت کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور تحفے تحائف کو رضاء الٰہی کی خاطر دینے کی توفیق دے اور اس تحفے کے پیچھے مفاد پرستی سے بچائے، آمین۔☆☆☆

بتیسویں (۳۲) آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

بعنوان

اسلامی اعتدال: امن عالم اور فلاح انسانیت کا ضامن

بتاریخ: ۱-۲/مارچ ۲۰۱۴ء- بروز سنیچر-اتوار بمقام: رام لیلا میدان، ترکمان گیٹ، نئی دہلی

زیر صدارت

جناب حافظ محمد یحییٰ دہلوی حفظہ اللہ

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

کانفرنس کی جھلکیاں: خطابات، سیمینار، ادبی وشعری نشست

ملک وبیرون ملک کے جلیل القدر علماء ومشائخ، ملکی والمی رہنما، مسلم وغیر مسلم دانشوران ومفکرین، کہنہ مشق اہل قلم ومقالہ نگاران، نامور شعراء کرام اور اصحاب نظر صحافی حضرات شریک ہورہے ہیں۔

بڑی تعداد میں شریک ہوکر ایمان افروز تقاریر ومقالات سے فیض یاب ہوں اور اسلام کے پیغام امن وانسانیت کو عام کریں۔

زیر اہتمام: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند- دہلی

رابطہ کے لیے

فون نمبر: 011-23273407 فیکس: 011-23246613

ای میل: jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

(۱) السنن الکبری للبیہقی: ۱۸۳/۶۔

واقعۂ کربلا کی حقیقت

(قسط:۲) مولانا مفتی محمد عبید اللہ عفیف

حادثۂ کربلا اسلامی تاریخ کا ایسا واقعہ ہے جس کے بیان کرنے والے اکثر مورخین واقعہ نگاری کی امانت کا پاس ولحاظ نہ رکھ کر عقیدت واحترام سے مغلوب ہوگئے اور جس کی وجہ سے اصل تاریخ ایک معمہ بن کر رہی گئی ۔''مولانا مفتی محمد عبید اللہ عفیف'' نے تاریخی روایات کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے رفقاء کے اصل قاتل آپ کی محبت و ہمدردی کا دم بھرنے والے اہل کوفہ ہی ہیں، جنہوں نے آپ کو بلایا تھا، اور اہل بیت خود اس کی شہادت دے رہے ہیں۔(ادارہ)

بلانے والے شیعہ ہی قاتل ہیں؟

اب رہا یہ سوال کہ آپ رضی اللہ عنہ کو انہی شیعان کوفہ نے قتل کیا، جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا تھا۔تو جوابا گزارش ہے کہ حضرت حسین، زین العابدین، سیدہ زینب بنت علی، سیدہ ام کلثوم بنت علی سیدہ فاطمہ بنت حسین اور دیگر رفقاء باوفا رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم کے بیانات کے مطابق یہی بلانے والے ہی قاتل قرار پاتے ہیں ۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

۱-حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بیان:

آپ رضی اللہ عنہ نے متعدد موقعوں پر ظاہر فرمایا تھا کہ ہمارے شیعان کوفہ نے بلا کر دغا وفریب دیا، مصائب سے دوچار کیا، لڑے اور قتل کیا:

۱-آپ رضی اللہ عنہ جب کوفہ جاتے ہوئے مقام زبالہ پر تشریف لائے اور مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سنی تو اپنے رفقاء کو اکٹھا کر کے فرمایا:

"خذلنا شیعتنا" (خلاصۃ المصائب،ص:۵۶، وجلاء العیون،ص:۲۱۴)

''ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت (مدد) سے ہاتھ اٹھالیا''۔

۲-کربلا میں خیمے سے باہر بیٹھے کوفیوں کے خطوط پڑھ رہے تھے۔ایک عراقی مکہ جارہا تھا۔اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی بے کسی وبے بسی دیکھ کر وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''مردم کوفہ مرا دعوت کرتکر دند انیک مکاتیب ایشاں است وحالانکہ کشندہ من ایشانند''۔(ناسخ التواریخ:۱/۱۵۹)

''کوفہ کے لوگوں نے مجھے بلایا ہے۔یہ ان کے خطوط ہیں، حالانکہ یہی لوگ میرے قاتل ہیں''۔

۳-معرکہ کربلا سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے کوفی شیعوں کو مخاطب کر کے بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

''تم پر اور تمہارے پر لعنت ہو اے بیوفایان! جفا کاران غدار! تم پر وائے ہو۔تم نے ہنگام اضطراب واضطرار اپنی مدد کو مجھے بلایا اور جب میں نے تمہارا کہنا قبول کیا اور تمہاری نصرت وہدایت کرنے کو آیا اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی۔اپنے دشمنوں کی تم نے یاری مددگاری کی اور اپنے دوستوں سے دستبرداری کر کے دشمنوں سے مل گئے''۔(جلاء العیون:۲/۲۳۲)

نتیجہ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ان تینوں بیانات سے ثابت ہوا کہ بلانے والے کوفی شیعہ تھے اور قتل کرنے والے بھی وہی تھے،کوئی اور نہ تھا۔

۲-حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا بیان:

۱- "أيها الناس من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فأنا علي بن حسين. أيها الناس! ناشدتكم بالله، هل تعلمون أنكم كتبتهم إلى أبي وخدعتموه وأعطيتموه من أنفسكم العهد والميثاق والبيعة، ثم قاتلتموه وخذلتموه، فتبا لكم ..... فارتفعت أصوات الناس بالبكاء يدعو بعضهم بعضا: هلكتم وما تعلمون". (کتاب الاحتجاج لأبی منصور أحمد بن علی الطبرسی:۲/۳۰۵،۳۰۶)

''لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں حسین (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا علی (زین العابدین) ہوں۔لوگو! کیا تمہیں علم نہیں کہ تم نے میرے والد حسین کو خطوط لکھے اور پھر دھوکہ دیا۔تم نے پختہ وعدہ اور بیعت لینے کا پکا عہد دیا اور تم نے انہیں قتل کیا، ذلیل کیا۔خرابی ہو تمہارے لیے جو کچھ تم نے اپنے لیے آگے بھیجا اور افسوس ہے تمہاری اس سوچ پر کہ تم کس آنکھ سے رسول کریم ﷺ کو دیکھو گے جب وہ فرمائیں گے:''تم نے میری اولاد کو قتل کیا،تم میری امت نہیں ہو''۔پس رونے کی آواز بلند ہوئی اور وہ ایک دوسرے کو بددعا دینے لگے''۔

۲- عن حذيم بن شريك الأسدي قال: لما أتى علي بن حسين زين العابدين بالنسوة من كربلاء وكان مريضا، وإذا نساء أهل الكوفة يندبن مشققات الجيوب، والرجال معهن يبكون، فقال زين العابدين بصوت خئيل: إن هؤلاء يبكون علينا فمن قتلنا غيرهم". (الاحتجاج للطبرسی:۲/۳۰۳، ۳۰۴،وجلاء العیون اردو:۲/۲۷۰)

''جب حضرت زین العابدین بیماری کی حالت میں عورتوں کے ساتھ کربلا سے کوفہ آرہے تھے تو کوفیوں کی عورتیں گریبان چاک کیے بین کرنے لگیں اور مرد بھی رونے لگ گئے، پس حضرت نے بآواز ضعف فرمایا:تم ہم پر نوحہ وگریہ کرتے ہو،لیکن یہ بتاؤ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور زین العابدین رحمہ اللہ، دونوں باپ اور بیٹے کے بیانات سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) اہل کوفہ نے خطوط لکھے۔(۲) اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا۔(۳) انہوں نے ہی حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔(۴) قاتلان حسین رضی اللہ عنہ روئے اور ان کی عورتوں نے گریبان پھاڑ لیے اور بین کیے بلکہ رونے کی مستقل رسم قائم کر گئے۔ گویا ؎

کی اس نے میرے قتل کے بعد جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

یہ بھی یاد رہے کہ دونوں مدعی معصوم ہیں، اس لیے یہ دونوں اپنے دعوے میں صادق ہیں ؎

لاکھوں سے بھاری ہے مدعی شہادت تیری

۳-سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کی شہادت:

شہید کربلا کی مظلومانہ شہادت کے باقی ماندہ بلاکشوں کا لٹا ہوا قافلہ جب کوفہ پہنچا تو کوفہ کے مردوں اور عورتوں نے ان کی قابل رحم حالت دیکھ کر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت حسین کی ہمشیرہ سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"أما بعد: يا أهل الكوفة! يا أهل الجنة والغدر والخذل! ألا فلا رقأت العبرة وهدأت الزفرة ..... بئس ما قدمتم لأنفسكم أن سخط الله عليكم، وفي العذاب أنتم خالدون، أتبكون أخي؟ أجل، والله، فأبكو فإنكم أحرى بالبكاء، وابكوا كثيرا واضحكوا قليلا ..... فتعسا تعسا ونكسا ونكسا"۔

''اے اہل کوفہ! اے اہل مکر وغدر وحیلہ! اے رسوا کرنے والو خدا کرے تمہارے آنسو خشک نہ ہوں، تمہاری ہچکیاں بندھی رہیں۔ بہت برا ہے جو تم نے اپنے لیے آگے بھیجا یہ کہ تم پر اللہ تعالی ناراض ہو گیا۔ تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو۔ اب تم میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ پر روتے ہو تو پھر روتے ہی رہو کیونکہ اب تمہیں رونا ہی زیب دیتا ہے، لہذا بکثرت رو اور تھوڑا ہنسو''۔

ماذا تقولون إن قال لكم نبيكم
ماذا صنعتم وأنتم آخر الأمم
بأهل بيتي وأولادي وتكرمتي
منهم أساری ومنهم ضر جوابدم

(احتجاج طبرسی: ۳۰۴/۲، ۳۰۵)

''تم کیا جواب میں کہو گے جب نبی کریم ﷺ تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری امت ہوتے ہوئے میرے اہل بیت، میری اولاد اور میری باعزت نسل سے کیا سلوک کیا۔ ان میں سے بعض کو قیدی بنا لیا اور بعض کو خون میں نہلا دیا (خدا تمہیں برباد کر دے۔ تم منہ کے بل گر کر مرو۔ تمہیں برباد کر دے)''۔

ملا باقر مجلسی نے اس پر درد خطبے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اما بعد، اے اہل کوفہ! اے اہل مکر وغدر وحیلہ! تم ہم پر گریہ وزاری کرتے ہو اور خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے تو ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا۔ اور تمہارے جسم سے ہمارا فریاد ونالہ ساکن نہیں ہوا۔ تم نے اپنے لیے توشہ وذخیرہ بہت خراب بھیجا ہے اور اپنے آپ کو ابدالآباد سزاوار جہنم کیا۔ تم ہم پر گریہ ونالہ کرتے ہو، حالانکہ خود تم ہی نے ہم کو قتل کیا۔ سچ ہے، واللہ لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ کرو۔ تمہارے یہ ہاتھ قطع کیے جائیں۔ اے اہل کوفہ! تم پر وائے ہو۔ تم نے کن جگر گوشہ ہائے رسول ﷺ کو قتل کیا اور پردگیان اہل بیت رسول ﷺ کو بے پردہ کیا، کس قدر فرزندان رسول کی تم نے خونریزی کی، ان کی حرمت کو ضائع کیا''۔ (جلاء العیون، ص: ۲۷۰)

نتائج:

(۱) کوفیوں نے مکر وحیلہ سے شہید کربلا کو بلایا۔ (۲) شہید کربلا سے غداری کی اور اہل بیت کو قتل کیا۔ (۳) پھر یہ خون چکاں کردار ادا کرنے کے بعد رونا پیٹنا شروع کر دیا۔

۴-سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ کا بیان:

"أما بعد، يا أهل الكوفة يا أهل المكر والغدر والخيلاء إنا أهل بيت، ابتلانا الله بكم، وابتلاكم بنا فكذبتمونا وكفرتمونا، ورأيتم قتالنا حلالا وأموالنا نهبا كأنا أولاد الترك أو كابل، كما قتلتم جدنا بالأمس وسيوفكم تقطر من دمائنا أهل البيت لحقد متقدم، قرت بذلك عيونكم وفرحت به قلوبكم".

ملا باقر مجلسی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اے اہل کوفہ واہل غدر ومکر وتکبر وحیلہ! حق تعالی نے ہم کو تمہارے ہاتھ مبتلا کیا ہے اور تم کو ہم سے امتحان کیا ہے۔ تم نے ہماری ہی تکذیب کی اور کافر سمجھا اور ہم پر قتال کرنا حلال سمجھے اور ہمارے مال کو غارت کیا ہے۔ اور ہم کو تم نے مانند اسیران ترک وکابل اسیر کیا۔ کل کے روز تم نے ہمارے جد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور بسبب کینہ ہائے دیرینہ ہر وقت ہم اہل بیت کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپکتا رہا۔ اور ہمارے قتل کرنے سے تمہارے دل شاد ہوئے''۔ (احتجاج طبرسی: ۳۰۲/۲، وجلاء العیون، اردو: ۲۷۲/۲)

دختر شہید کے بیان کے نتائج:

(۱) شیعان کوفہ نے اہل بیت کو کافر سمجھا اور ان کا خون حلال جانا۔

(۲) ان کو اہل بیت سے پرانی عداوت تھی۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل شیعہ تھے۔

(۴) اہل بیت کو قتل کر کے کوفی خوش ہوئے۔

(۵) ان کا رونا پیٹنا محض ڈرامہ تھا۔

۵-سیدہ کلثوم خواہر شہید مظلوم رضی اللہ عنہا کا بیان:

۱-بعد اس کے ام کلثوم، دوسری دختر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رو رو کر آواز دی کہ اے اہل کوفہ! تمہارا حال اور مال برا ہو، تمہارے منہ سیاہ ہوں۔تم نے کئی سبب سے میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی اور انہیں قتل کر کے مال اسباب ان کا لوٹ لیا۔وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر''۔(جلاء العیون:۲/۲۷۳)

۲-جب اہل کوفہ کو بچوں پر رحم کھا کر خرمے اور روٹیاں دیتے تھے، ام کلثوم رضی اللہ عنہا انہیں منع کر کے فرماتی تھیں:

''اے اہل کوفہ! ہم اہل بیت پر تصدق حرام ہے''۔زنان کوفہ ان مقربان حضرت ذوالجلال کے حال پر گریہ کرتی تھیں۔ام کلثوم نے جب ان کی صدائے گریہ سنی محل سے آواز دی اور فرمایا:''اے زنان کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، اور ہم اہل بیت کو اسیر کیا، پھر تم کیوں روتی ہو''۔(جلاء العیون:۲/۲۷۵)

گویا بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اتمام حجت کے طور پر فرمایا۔

تم ہی قاتل، تم ہی شاہد، تم ہی منصف ٹھہرے
اقربا مرے کریں قتل کا دعوی کس پر؟

رفقاء اہل بیت کے بیانات:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور زین العابدین دونوں، بقول شیعہ، امام معصوم ہیں۔اور تینوں سیدات محرمات کے بیانات کے بعد اب ان رفقاء باوفا کے بیانات پیش کرنا چاہوں گا جو اگرچہ افراد اہل بیت تو نہیں مگر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جانثار ضرور تھے اور ساتھ ہی شہید ہوئے ہیں۔

۱-بریر بن حضیر کا بیان:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس جاں نثار نے دشمن کے لشکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اہل کوفہ! تر پر وائے ہو کہ تم اپنے وہ عہد و پیمان اور وعدے اور خطوط موکدہ بقسم جو تم نے لکھے تھے، سب بھول گئے۔اے بے شرمو! تم نے اہل بیت پیغمبر کو لکھا تھا کہ ہمارے شہر میں تشریف لائیے، ہم اپنی جانیں آپ رضی اللہ عنہ پر قربان کریں۔اب جبکہ وہ تشریف لائے تو پانی بھی ان کو نہیں دیتے اور چاہتے ہو پسر ابن زیاد بے بنیاد کو ان پر مسلط کر دو۔اپنے پیغمبر کی رعایت ان کے فرزندوں کے حق میں اسی طرح کرتے ہو! تم بہت برے لوگ ہو۔خدا تمہیں بروز قیامت سیراب نہ کرے''۔(جلاء العیون:۲/۲۳۱)

۲-حر بن یزید شہید کا بیان:

یہ وہی حر بن یزید کوفی شیعہ ہیں جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو مقام اشراف پر روک لیا تھا اور مدینہ منورہ کی طرف واپس چلے جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔اور مقام شہادت پر آپ رضی اللہ عنہ کو لے آئے مگر کوفی شیعوں کا ظلم اور بربریت دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور توبہ کر کے حضرت رضی اللہ عنہ سے آملے۔اور شیعوں سے مقابلہ کرنے گئے اور پکار کر کہا:

"يا أهل الكوفة! ثقلتكم أمهاتكم، دعوتم هذا العبد الصالح حتى إذا أتاكم ثم عدتم عليه لتقتلوه وأخذتم بكظمه وأحطتم به من كل جانب لتمنعوا الوجه إلى بلاد الله فصار كالأسير، ومنعتموه وأهله عن ماء الفرات الجاري تشربه اليهود والنصارى والمجوس وتمرغ فيه خنازير السواد، بئسما خلفتم محمدا ﷺ في ذريته، لا سقاكم الله يوم الظمآء"۔

''اے اہل کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں گرفتار ہوں۔فرزند رسول کو بوعدہ ہائے دروغ تم نے طلب کیا اور اب تلواریں ان پر کھینچتے ہو۔اور انہیں اجازت واپس جانے کی بھی نہیں دیتے اور آب فرات کو یہود ونصاری ومجوس وسگ وخوک پیتے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کو نہیں دیتے ہو۔اب پیغمبر کو یہی عوض دیتے ہو۔خدا تم کو بروز قیامت تشنگی سے نجات نہ دے''۔(خلاصۃ المصائب،ص:۶۸ وجلاء العیون،ص:۳۳۵)

نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ ان سات مدعیان کے بیانوں میں قدر مشترک یہ ہے:

(۱) اہل کوفہ نے حضرت حسین کو ۱۲/ ہزار خطوط لکھ کر آنے کی دعوت دی۔

(۲) دعوت دینے والے شیعہ تھے۔

(۳) ان بلانے والے شیعوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اہل بیت کو قید کیا اور ان کا مال لوٹا۔

(۴) قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی عورتوں نے بین کیے اور گریبان چاک کیے۔

جناب محمد باقر رحمہ اللہ کا بیان:

آپ رضی اللہ عنہ جناب گرامی قدر زین العابدین کے فرزند اور شیعہ کے پانچویں امام معصوم ہیں (اور معصوم کا بیان جھوٹا نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ معصوم نہیں رہے گا) اور جد بزرگوار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ رحمہ اللہ کی عمر چوبیس برس اور والد بزرگوار حضرت زین العابدین کی وفات کے وقت آپ رحمہ اللہ کی عمر چالیس برس اور بروایت دیگر تینتیس برس تھی۔لہذا ظاہر ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے کربلا کی جان گسل کہانی اپنے والد بزرگوار زین العابدین ہی سے سنی ہوگی۔بیان یہ ہے:

''جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، پھر ان سے بیعت شکستہ کی اور ان پر شمشیر کھینچی، اور امیر المومنین ہمیشہ ان سے بمقام مجادلہ اور محاربہ تھے اور ان سے آزار ومشقت پاتے تھے، یہاں تک کہ ان کو شہید کیا اور ان کے فرزند امام حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور بعد بیعت کرنے کے بعد ان سے غدر اور مکر کیا۔اور چاہا کہ ان کو دشمن کو دے دیں۔اہل عراق سامنے آئے اور خنجر ان کے پہلو پر لگایا اور خیمہ ان کا لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کی کنیز کے پاؤں سے خلخال اتار لیے اور ان کو مضطرب اور پریشان کیا۔تا آنکہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور اپنے اہل بیت کے خون کی حفاظت کی۔اور ان کے اہل بیت کم تھے، پس ہزار مرد عراقی نے امام حسین رضی اللہ کی بیعت کی۔اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسین رضی اللہ عنہ پر چلائی اور ہنوز بیعت امام حسین رضی اللہ عنہ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام کو شہید کیا''۔(جلاء العیون:۳۸۳/۲)

جناب محمد باقر کے اس بیان سے اس گتھی کی تمام گرہیں کھل گئیں اور بات بالکل واضح ہوگئی، لہذا ؎

شکر یہ پرستش غم لیکن اصرار نہ کر
پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا اقبال جرم:

آپ شروع میں پڑھ آئے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلانے میں سلیمان بن صرد خزاعی مسیّب بن نخبہ، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن وال اور عبداللہ بن سعد پیش پیش تھے۔ یہ پانچوں نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کٹر شیعہ تھے بلکہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بھی مشہور شیعہ تھے۔ جب حضرت ان کی دعوت پر کوفہ چلے آئے تو یہ پانچوں بیعت توڑ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدد سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اب جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش فرمائے چند ماہ گزر جاتے ہیں تو ان کو توبہ سوجھتی ہے، وہ بھی اہل کوفہ سے انتقام لینے کے لیے نہیں بلکہ شام میں بسنے والے بنو امیہ کے خلاف خروج کرنے کی نیت سے، چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد اور شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:

''سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدنداں۔ گرفتہ بر خود نفرین مے کرد کہ خزاں دنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد ازاں کہ امیر المومنین را طلب داشتیم تیغ بر روئے او کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید باد آنچہ رسید و روسائے ایں جمعت پنج نفر بودند: سلیمان بن صرد خزاعی و مسیّب بن نخبہ و عبداللہ بن سعد و عبداللہ بن وال و رفاعہ بن شداد۔ ایں پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنین بودند و چوں عزیمت ایشاں بطلب خون امام حسین رضی اللہ عنہ تصمیم یافت جمع کثیر بر سرائے سلیمان بن صرد خزاعی آمد و مسیّب بن نخبہ مصحوب عمر بن سعد بکر بلا رفتہ بود۔ سخن آغاز کردہ گفتند خدائے تعالی ما را بطول عمر گردانید تا در انواع فتنہ پا افتادیم و با مور ناشستہ متہم گشتیم، اکنوں از اعمال سیئہ خویش نادم گشتہ میخواہیم کہ دست در دامن توبہ و انابت زنیم شاید کہ خداوند عزوعلا توبہ ما را قبول کردہ بر ما رحمت کند و ہر کس از ان جماعت کہ کربلا رفتہ بودند عذر ہے گفتند۔ سلیمان بن صرد گفت ہیچ چارہ نمے دانمیم جز آنکہ خود را در عرصہ تیغ آوریم و مجموع شیعہ بزانوئے استغفار آمدہ''۔ (مجالس المومنین، جلد: ۱، وقلان حسین از مرزا پوری، ص: ۶۰)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے چند ماہ بعد سلیمان نے متنبہ ہو کر حسرت سے دانتوں تلے انگلی دبالی اور اپنے تئیں متنفر ہوا کہ ہم کو دنیا و آخرت میں نقصان ہوا، اس کے بعد کہ ہم نے امیر المومنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خود ہی کوفہ بلایا اور ان کے منہ پر تلوار چلائی، یہاں تک کہ ہماری بے وفائی سے ان پر بہت بڑی مصیبت گزر گئی۔ ان گروہ کے سرغنہ پانچ آدمی تھے: سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب بن نخبہ، عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن وال اور رفاعہ بن شداد۔ یہ پانچوں آدمی امیر المومنین کے مشہور اصحاب میں سے تھے۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر ان لوگوں کا پکا ارادہ ہو گیا تو ایک بڑی جماعت سلیمان بن صرد کے گھر پر جمع ہوئی۔ ان میں مسیّب بن نخبہ تھے جو عمر بن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر

کربلا گئے تھے۔سب نے بات کا آغاز یوں کیا کہ اللہ تعالی نے ہم کو اتنی طویل عمر دی کہ ہم لوگ گونا گوں فتنوں میں مبتلا اور ناشائستہ کاموں کے ساتھ متہم ہوئے۔اب ہم اپنے ان برے کاموں پر شرمندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ توبہ کریں۔شاید اللہ تعالی ہماری توبہ قبول فرمالے اور ہم پر رحم کردے۔اس گروہ میں سے جتنے لوگ (یزید کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے) کربلا گئے تھے سب اسی طرح معذرت کرنے لگے۔سلیمان بن صرد نے کہا: میرے نزدیک اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو شمشیر بکف میدان میں لائیں (جیسے بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں نے باہم ایک دوسرے کو تلوار پر رکھ دیا تھا، اللہ تعالی کا فرمان ہے: (إنكم ظلمتم أنفسكم) ''تم لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا''۔یہ کہہ کر سب شیعہ برادری استغفار کے لیے گھٹنوں کے بل گر پڑی۔''

جھنجھلا کے مجھ کو ذبح تو صیاد نے کیا
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے

غور فرمائیے! سلیمان، مسیّب، عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن وال اور رفاعہ یہی بڑے بڑے شیعہ ہی تو تھے، جنہوں نے اپنی طرف سے اپنے ناموں کے حوالے سے خطوط لکھ کر بلایا، اور حضرت رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطوط انہی کے نام ارسال فرمائے۔دیکھئے کتنے کھلے الفاظ میں اور کس قدر صفائی کے ساتھ ابن سعد کے لشکر میں شامل ہوکر حضرت کو شہید کرنے کا صاف صاف اقرار کرکے اپنے آپ کو لعن طعن اور ملامت کررہے ہیں اور اس جرم عظیم پر نادم وشرمندہ ہوکر گھٹنوں کے بل گر کر توبہ واستغفار کررہے ہیں ؎

صد ہا ارمانوں سے جس نے مجھے ذبح کیا
قتل کے بعد کوئی دیکھے ندامت ان کی

پھر یہی سلیمان بن صرد خزاعی امیر التوابین بن کر اور سب شیعوں کو ہمراہ لے کر بنوامیہ پر خروج (چڑھائی) بھی کرتا ہے اور قبر حسین رضی اللہ عنہ پر دوبارہ توبہ بھی کرتا ہے، علامہ شوستری تحریر فرماتے ہیں:

''چونزد قبر امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدند باہم گفتند: سزاوار آنست کہ نخست بزیارت امام حسین رضی اللہ عنہ رویم دوست دردامن توبہ وانابت زنیم واز وعذر خواہیم آنگاہ متوجہ مقصد شویم''۔(مجالس المومنین، قاتلان حسین، ص:۶۱، ۶۲)

''جب شیعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب پہنچے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ سب سے پہلے ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کو جائیں اور وہاں (قبر حسین رضی اللہ عنہ) پر توبہ اور ان سے اپنے جرم پر معذرت کریں، پھر مقصد پر توجہ دیں''۔

لیجئے جناب قاضی نور اللہ شوستری ایسے فاضل کے مطابق شیعان کوفہ اعتراف کر چکے کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ ہم ہی ہیں اور یہ امر شرعا اور قانونا مسلم ہے کہ خود مجرم کا یہ اقرار کہ میں نے یہ جرم کیا ہے، ہر قسم کے مزید ثبوت سے مستغنی اور بے نیاز کردیتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ سنی اس قتل ناحق کے الزام سے بال بال بری ہیں۔

یہ ہے کربلا کی کہانی جو شہید کربلا اور ان کے زندہ بچ جانے والے اہل بیت و دیگر رفقاء وباوفا کے بیانات کی روشنی میں شیعہ کی معتبر اور مستند کتابوں کے مفصل حوالہ جات کے ساتھ بعون اللہ وحسن توفیقہ آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ اس دردناک کہانی کو سرسری نظر سے پڑھنے والا بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا:

(۱) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خود نہیں گئے تھے بلکہ بلائے گئے تھے۔

(۲) ان بلانے والوں نے ۱۲/ ہزار خطوط کا چکما، ایک لاکھ تلوار کا جھانسہ اور حضرت مسلم بن عقیل کی ہنگامی اور جھوٹی بیعت کا دھوکہ دے کر آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلایا تھا۔

(۳) یہ بلانے والے خالص اہل کوفہ تھے۔ ان میں سے کوئی حجازی تھا اور نہ شامی۔

(۴) یہ سب نہ صرف کٹر شیعہ تھے بلکہ شیعان حسین رضی اللہ عنہ ہونے کے علاوہ شیعان علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(۵) ان بلانے والوں نے ہی از راہ تقیہ حضرت کی بیعت توڑ کر عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو کر حضرت کے بے گناہ خون سے کربلا کے ریگ زار کو خون تاب بنا کر دم لیا۔

(۶) چند ماہ بعد خون حسین رضی اللہ عنہ کا اقبال جرم کیا اور پھر اس قتل ناحق کے گناہ عظیم سے توبہ واستغفار کرنے لگے۔

(۷) مجرم کا یہ اقرار کہ میں نے یہ جرم کیا ہے ہر قسم کے ثبوت سے بے نیاز کر دیتا ہے یعنی مجرم کا تنہا اقبال جرم ہی فرد قرارداد جرم کی تشخیص وتسوید کے لیے شرعا اور عقلا کافی ہوتا ہے۔ لہذا مثل آفتاب تاباں کے روشن ہوا کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ شیعان کوفہ ہی تھے۔ ان میں کوئی حجازی تھا اور نہ شامی، یعنی خالص شیعان کوفہ تھے ؎

لاکھوں چھپایا راز محبت نہ چھپ سکا
آنکھوں نے رو کر یار سے اظہار کر دیا

ہم اپنے اس جواب کو نامور محقق، نڈر اور بے باک محافظ ناموس صحابہ ابوالحریر عبدالعزیز ملتانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے حسب ذیل واشگاف بیان پر ختم کرتے ہیں:

''شیعہ صاحبان خلفاء راشدین و دیگر صحابہ رسول خدا ﷺ کو شب و روز منافق وغیرہ کہہ کر اپنا ایمان اکارت کرتے ہیں۔ خدائی غیرت نے ایسا جوش مارا کہ شیعہ مصنفین کی اقلام سے شیعوں کے حق میں اسی دنیا میں ملعون، معذب، مغضوب، مقہور، مرتد، منافق وغیرہ لکھوایا۔ اور سید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو انہی کے ہاتھوں شہید کرا کے ان کو جہنم کا مستحق بنایا جو آج تک کتب شیعہ میں مسطور و مرقوم پایا اور خسر الدنیا و الآخرۃ کا فرد کامل بنایا۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

کان رکھتے ہو تو سن لو نعرۂ قہر خدا پردہ پوشی ہو چکی ختم اب عذاب آنے کو ہے

(بشکریہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور)

☆☆☆

بزم طلبہ

منکرین عذاب قبر کے شبہات اوران کا ازالہ

فرید احمد خورشید احمد/ ف ۳

عذاب قبر پر ایمان اسلام کا ایک نہایت واضح اور اہم عقیدہ ہے۔اس سلسلے میں بے شمار صحیح وصریح نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

عرف عام میں مردہ کے دفن کرنے کی جگہ کو قبر کہا جاتا ہے، اور عذاب قبر سے مراد برزخ کا عذاب ہے، جو بزرخ میں حسب استحقاق دیا جاتا ہے، خواہ میت دفن ہو یا نہ ہو، مثلا درندے کھا جائیں یا آگ میں جل کر راکھ ہو جائے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑ جائے، یا پھانسی کے تختے پر لٹکا رہے، یا سمندر میں ڈوب جائے۔اصل قبر برزخ ہے۔ برزخ میں روح وبدن دونوں پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔(۱)

عہد نبوی میں عذاب قبر کا ایک عبرت ناک واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عیسائی آدمی مسلمان ہوا، اس نے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لی اور رسول اکرم ﷺ کے لیے (وحی کی) کتابت کرنے لگا، لیکن بعد میں مرتد ہو گیا، کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) کو تو کسی بات کا پتہ ہی نہیں ہے جو کچھ میں لکھ دیتا ہوں، بس وہی کہہ دیتے ہیں، اللہ نے جب اسے موت دی تو عیسائیوں نے اسے (قبر میں) دفن کر دیا، صبح ہوئی تو (لوگوں نے دیکھا کہ) زمین نے اسے باہر نکال پھینکا ہے، عیسائیوں نے کہا یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے، چونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے، لہذا انہوں نے اس کی قبر کھود کر لاش باہر نکال پھینکی ہے، عیسائیوں نے اس کے لیے دوبارہ (نئی جگہ) قبر کھودی اور اسے (پہلے کی بہ نسبت) بہت گہرا بنایا اور (لاش کو دوبارہ دفن کر دیا) جب صبح ہوئی تو (لوگوں نے دیکھا کہ) زمین نے اسے پھر باہر نکال پھینکا ہے۔عیسائیوں نے پھر الزام لگایا یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے، چونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے، لہذا انہوں نے اس کی قبر کھود کر لاش باہر نکال پھینکی ہے، عیسائیوں نے (تیسری مرتبہ) اس کے لیے قبر کھودی اور اتنی گہری بنائی جتنی گہری وہ بنا سکتے تھے، صبح ہوئی تو (لوگوں نے دیکھا کہ) زمین نے اسے پھر نکال باہر پھینکا ہے، تب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ مسلمانوں کا کام نہیں ہے (بلکہ اللہ کا عذاب ہے) چنانچہ عیسائیوں نے اس کی لاش ایسے ہی چھوڑ دی۔(۲)

عذاب قبر کا ثبوت قرآن کریم سے:

قرآن کریم میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جو عذاب قبر کو ثابت کرتی ہیں، اس لیے کسی مسلمان کے لیے لائق ومناسب نہیں کہ ان حقائق کا انکار اور تکذیب کرے۔ہم ذیل کے سطور میں تین نصوص ذکر کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں:

۱-﴿ومن أعرض عن ذكري فإن له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيامة أعمى﴾ (۳) (ہاں) جو

(۱) کتاب الروح ص ۱۱۴۔ (۲) بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام (۳۶۱۷)

(۳) طہ: ۱۲۴۔

میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ کچھ لوگوں کے نزدیک "معيشة ضنكا" سے مراد عذاب قبر ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک اس سے مراد قبر کا دبوچنا ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی موقف ہے۔(۱)

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں علما کے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سب سے راجح قول یہ ہے کہ "معيشة ضنكا" سے مراد عذاب قبر ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اس آیت کے بعد عذاب آخرت کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ تنگ زندگی عذاب آخرت سے پہلے ہی ان کو دی جائے گی، اگر عذاب آخرت سے پہلے نہ مانا جائے تو عذاب آخرت کا ذکر بے معنی ہو جائے گا۔(۲)

۲- ﴿ألهاكم التكاثر حتى زرتم المقابر، كلا سوف تعلمون، ثم كلا سوف تعلمون﴾ (۳) زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے، ہرگز نہیں تم عنقریب معلوم کر لوگے، ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد علم ہو جائے گا۔

مفسر الأمۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''قبر میں جو عذاب تم پر نازل ہوگا اسے تم جان لوگے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آتی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں عذاب قبر میں شک تھا، لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ "كلا سوف تعلمون" سے مراد عذاب قبر ہے۔(۴)

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "كلا سوف تعلمون ثم كلا سوف تعلمون" یہ دو حالتیں ہیں، ایک سے مراد عذاب قبر ہے اور دوسری حالت سے مراد عذاب آخرت ہے۔(۵) یہی معنی امام رازی رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔

۳- ﴿قالوا ربنا أمتّنا اثنتين وأحييتنا اثنتين فاعترفنا بذنوبنا فهل إلى خروج من سبيل﴾ (۶) وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار ہی جلایا، اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں، تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟

مفسرین کہتے ہیں: اس آیت میں دو موت سے مراد قبر میں جانے سے پہلے کی موت اور قبر کے اندر سوال و جواب کے بعد کی موت ہے، اور دو زندگی سے مراد قبر کے اندر سوال و جواب کے لیے زندہ ہونا اور پھر میدان محشر میں جمع ہونے کے لیے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔(۷)

عذاب قبر کا ثبوت سنت نبویہ سے:

دکتور حسین جابر موسی بنی خالد نے اپنی کتاب "الحياة البرزخية في الإسلام" میں ۳۸ حدیثوں سے عذاب

(۱) روح المعانی للآلوسی: ۵۸۵/۸۔ (۲) تفسیر الطبری: ۶۶-۲۶۵۔
(۳) تکاثر: ۱-۴۔ (۴) تفسیر قرطبی: ۱۲۳/۱۰۔
(۵) تفسیر قرطبی: ۱۲۳/۱۰۔ (۶) غافر: ۱۱۔
(۷) عذاب قبر ایک تحقیقی جائزہ ص ۹۴-۹۵۔

قبر کو ثابت کیا ہے، ذیل کے سطور میں ہم تین احادیث ذکر کررہے ہیں، جو عذاب قبر کو ثابت کرتی ہیں:

۱-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "ان يهودية دخلت عليها، فذكرت عذاب القبر، فقالت لها: أعاذك الله من عذاب القبر، فسألت عائشة رضي الله عنها رسول الله ﷺ عن عذاب القبر، فقال: نعم، عذاب القبر حق. قالت عائشة رضي الله عنها: فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلّى صلاة إلا تعوذ من عذاب القبر" (۱)

ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور عذاب قبر کا ذکر کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگی اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، عذاب قبر حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس میں آپ نے عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو"۔

۲-حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سورج غروب ہونے کے بعد (گھر سے) نکلے تو (قبرستان میں) ایک آواز سنی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "يهود تعذب في قبورها" (۲) یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔

۳-حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنی نجار کے باغ میں ایک خچر پر جارہے تھے، ہم آپ کے ساتھ تھے، اتنے میں وہ خچر بھڑکا اور قریب ہوا کہ آپ (ﷺ) کو گرادے، وہاں پر چھ یا پانچ یا چار قبریں تھیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''کوئی جانتا ہے کہ یہ قبریں کن کن کی ہیں؟'' ایک آدمی بولا: میں جانتا ہوں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: وہ لوگ کب مرے؟ تو آدمی نے جواب دیا: شرک کے زمانے میں، تو آپ نے فرمایا: "إن هذه الأمة تبتلى في قبورها، فلولا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه" اس امت کو اس کی قبر میں بھی عذاب دیا جاتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن نہ کرو، تو میں اللہ تعالی سے دعا کرتا کہ تمہیں قبر کے عذاب کو سنادے جو میں سنتا ہوں، پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "تعوذوا بالله من عذاب النار" اللہ سے جہنم کی پناہ طلب کرو۔ صحابہ کرام نے کہا: ہم اللہ سے جہنم کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: "تعوذوا بالله من عذاب القبر" اللہ سے قبر کے عذاب کی پناہ طلب کرو، تو صحابہ کرام نے کہا: ہم اللہ سے عذاب قبر کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (۳)

منکرین عذاب قبر کے شبہات اوران کا ازالہ:

صریح نصوص کے ہوتے ہوئے بھی عذاب قبر کا انکار کرنے والے لوگ موجود ہیں، اس میں ضرار بن بشر المریسی کا نام

(۱) بخاری کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر (۱۳۷۳)
(۲) بخاری کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر (۱۳۷۵)، مسلم (۲۸۶۹)
(۳) مسلم کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار (۲۸۶۷)

سرفہرست ہے۔ ذیل کے سطور میں منکرین عذاب قبر کے چند شبہات کا جائزہ لیا جائے گا اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی حقیقت کو واضح کیا جائے گا۔

منکرین عذاب قبر کا پہلا شبہ یہ ہے کہ کسی نبی نے اپنی امت کو قبر کے عذاب سے نہیں ڈرایا، ہر ایک کو یہی ہدایت دی گئی کہ قیامت کے دن سے دنیا والوں کو خوف دلائیں، قرآن کریم میں جن جن پیغمبروں کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان کے یہاں قیامت کے ہی دن سے ڈرنے کا تذکرہ ہے۔

ازالہ: اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: "ضرب الله مثلا للذين كفروا امرأة نوح ..... الآية" (۱) اللہ تعالی نے کافروں کے لیے نوح کی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انہوں نے خیانت کی، پس وہ دونوں ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا کہ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کو آگ میں جانے کا حکم دے دیا گیا، حالانکہ ابھی تک قیامت نہیں آئی، یقیناً ان کو بھی ان انبیاء علیہما السلام نے اس عذاب سے ڈرایا ہوگا، کیونکہ اصول یہ ہے: "وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا" (۲) اللہ رب العالمین کا یہ طریقہ نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب دینے لگیں۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کے انبیاء علیہم السلام اللہ کے حکم سے اس ہونے والے عذاب سے پہلے اپنی قوم کو اس سے ڈراتے تھے۔ ﴿النار يعرضون عليها غدوا وعشيا، ويوم تقوم الساعة ، ادخلوا آل فرعون أشد العذاب﴾ (۳) آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔ اس آیت میں قیامت سے پہلے عذاب کا ذکر ہے جو صور پھونکنے تک جاری رہے گا۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں آخرت کا عذاب مراد نہیں ہے، بلکہ آیت میں یہ ہے قبروں میں صبح وشام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور یہ قرآن میں عذاب قبر کے لیے دلیل ہے کیونکہ آیت کا دوسرا حصہ ہے کہ آل فرعون کو قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دو، اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ برزخ میں (دنیا اور آخرت کے درمیان وقت میں) صبح وشام آگ پر پیش ہوتے ہیں، اور قیامت کے دن سخت عذاب میں داخل ہوں گے۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو قیامت سے ڈرایا اور اس سے قبل پیش آنے والے احوال سے بھی ڈرایا اور قبر کا عذاب ان میں سے ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے تھے کہ ان کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور جہنم کو بھی یاد کرتے ہیں، تو اتنا نہیں روتے۔ اس قبر پر اتنا کیوں روتے ہیں تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن القبر أول منزل من منازل الآخرة، فإن نجى منه

(۱) التحریم: ۱۰۔ (۲) بنی اسرائیل: ۱۵۔ (۳) المومن: ۴۶۔

(۴) جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی فظاعۃ القبر وانہ أول منازل الآخرۃ (۲۳۰۸) وحسنہ الألبانی۔

فما بعده أيسر منه، وإن لم ينج منه فما بعده أشد منه" (۱) آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا تو آگے اس کے لیے آسانی ہے اور جس نے اس سے نجات نہیں پائی تو اس کے لیے آگے اور سختی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ (ﷺ) نے قبر کے اس فتنہ اور عذاب کا تذکرہ کیا جس میں انسان مبتلا ہوگا، جب آپ ﷺ نے اس کا ذکر فرمایا تو مسلمانوں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ (۲)

ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عذاب قبر کا ذکر اگلے نبیوں کی امتوں میں بھی تھا اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو عذاب قبر سے باخبر کیا ہے، جیسا کہ حدیثوں میں ثابت ہے اور منکرین کا یہ دعوی کرنا کہ کسی نبی نے بھی عذاب قبر سے نہیں ڈرایا، یہ باطل ہے۔

منکرین کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ قرآن میں متعدد بار ذکر آیا ہے کہ صرف قیامت میں حساب وکتاب ہوگا اور اس کے بعد عذاب ہوگا، اس سے قبل عذاب معقول نہیں۔

ازالہ: منکرین اس مفروضے کو قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عذاب قبر برحق نہیں ہے اور انسان کو اس کے گناہوں کی سزا قیامت میں ہوگی، قرآن کریم نے دنیا میں بھی عذاب کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون﴾ (۳) خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالی چکھا دے۔ (بہت) ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔ یہ عذاب آخرت سے پہلے ہے۔ نیز اللہ نے دوسری جگہ فرمایا: ﴿لهم عذاب في الحياة الدنيا ولعذاب الآخرة أشق وما لهم من الله من واق﴾ (۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے۔ اور انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿قل هو القادر على أن يبعث عليكم عذابا من فوقكم، أو من تحت أرجلكم أو يلبسكم شيعا، ويذيق بعضكم بأس بعض﴾ (۵) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا یہ کہ گروہ در گروہ کر کے تم سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے''۔

اب منکرین بتائیں کہ یہ عذاب کس حساب کے تحت ہے، اور قیامت سے پہلے کیوں عذاب ہوا؟ قرآن کریم میں پچھلی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے، مثلاً نوح، ہود، صالح علیہم السلام کی قوموں پر عذاب آیا اور وہ ہلاک وبرباد ہو گئے، ان سے کون سا حساب ہوا تھا، اور قیامت سے پہلے کیوں عذاب ہوا، اس سے منکرین کا قائم کیا ہوا کلیہ ختم اور زائل ہو گیا۔ (۶)

منکرین کا تیسرا شبہ یہ ہے کہ مردہ جسم بے حس ہوتا ہے، اس کو تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہوسکتا، تو اس کو عذاب دینے کا

---

(۱) بخاری، کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر (۱۳۷۳)

(۲) عذاب قبر کی حقیقت (ص ۲۹-۳۰۔ (۳) الروم: ۴۱۔

(۴) الرعد: ۳۴۔ (۵) الانعام: ۶۵۔

(۶) عذاب قبر کی حقیقت: ۱۱-۱۳۔

کیا فائدہ؟

ازالہ: منکرین کا اللہ تعالی کی قدرت پر اعتراض ہے۔ اللہ رب العالمین نے زبان کو کلام کرنے کی طاقت دی ہے، مگر کسی اور عضو کا بولنا معقول نہیں، لیکن قیامت کے دن انسان کے دوسرے اعضاء بھی بولنے لگیں گے، جیسا کہ اللہ نے اشاد فرمایا: ﴿الیوم نختم علی أفواههم وتكلمنا أيديهم وتشهد أرجلهم بما كانوا يكسبون﴾ (۱) ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿حتى إذا ما جاء وها شهد عليهم سمعهم وأبصارهم ..... الآية﴾ (۲) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہاتھ، پاؤں، کانوں، آنکھوں اور چمڑیوں میں بولنے کی طاقت نہیں، جب زبان بند ہوتی ہے تو یہ سارے اعضاء بولنے سے عاجز ہوتے ہیں اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے تو اس کا کوئی دوسرا عضو بات نہیں کرسکتا، مگر اللہ نے چاہا تو ان سے یہ کام لے لیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کو بھی تکلیف دے سکتا ہے، اگر چہ وہ ہماری نظر میں بے حس اور بے کار ہو بے جان چیزوں اور جمادات اور نباتات سے بھی خطاب کرسکتا ہے اور جواب لے سکتا ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا: ﴿ثم استوى إلى السماء وهي دخان فقال لها ..... الآية﴾ (۳) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔

اب منکرین ومعترضین بتائیں کہ زمین وآسمان میں کوئی حس یا جان ہے کہ ان دونوں نے بات سنی اور جواب دیا، اگر کہیں گے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے وہ سب پر قادر ہے، تو ہم اللہ کی قدرت کے قائل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح ان کو مردوں کی حس کو بھی سمجھنا پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالی ان کو بھی حس دلاسکتا ہے۔ یہی مطلب ہے "يؤمنون بالغيب" کا، اسی طرح آگ بھی بے جان ہے، لیکن اس کو بھی اللہ نے خطاب کیا: "يا نار كوني بردا وسلاما على إبراهيم"۔ (۴)

اخیر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں قبر (عالم برزخ) کی زندگی پر ایمان ویقین رکھنے کی توفیق عنایت فرما اور ہم سب کو قبر کے فتنے وعذاب قبر سے محفوظ رکھے نیز فرشتوں کے سوالات میں ثابت قدمی عطا فرما، آمین۔

☆☆☆

(۱) یس:۶۵۔ (۲) حم السجدہ:۲۱-۲۰۔
(۳) حم السجدہ:۱۱۔ (۴) الانبیاء:۶۹۔

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں دوبارہ تعلیم کا آغاز:

جامعہ سلفیہ میں ششماہی امتحان کے بعد دوبارہ تعلیم کا آغاز بروز منگل ۱۴؍جنوری ۲۰۱۴ء ہوا، چونکہ ان دنوں بنارس میں سخت ترین سردی تھی اس لیے طلباء کی بڑی تعداد چند دنوں کی تاخیر سے پہنچی، بعض اساتذہ بھی ذاتی عوارض کی وجہ سے روز اول حاضر نہ ہو سکے۔

اوقات تعلیم میں تبدیلی:

جامعہ سلفیہ میں حسب نظام اوقات تعلیم ۲۰؍دسمبر تا ۲۸؍فروری ۸؍بجے صبح سے ۲؍بجے دوپہر تک ہے، لیکن شدید سردی کی وجہ سے ۱۸؍جنوری بروز سنیچر سے تا اعلان ثانی تعلیم کے اوقات کو ۸:۳۰ بجے صبح سے ۲؍بجے دوپہر تک کر دیا گیا، اور اس کی وجہ سے پہلی اور دوسری گھنٹی ۴۰؍منٹ، آخری دونوں گھنٹیاں ۳۵؍منٹ اور باقی گھنٹیاں ۳۰؍منٹ کی کر دی گئیں، چھ گھنٹیوں کی تعلیم کے بعد سوا بارہ بجے ظہر کی نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد دو گھنٹی تعلیم ہوتی ہے۔

ناظم اعلی صاحب کی اساتذہ کرام کے ساتھ میٹنگ:

۲۲؍جنوری ۲۰۱۴ء بروز بدھ بعد نماز ظہر دار الضیافہ میں ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے اساتذہ کرام کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید سلفی صاحب اور مولانا عبداللہ زبیری صاحب نائب ناظم جامعہ سلفیہ بھی موجود تھے، اس میٹنگ میں طلباء کی تعلیم و تربیت سے متعلق بعض اہم باتوں پر غور وخوض کیا گیا نیز جامعہ سلفیہ میں منعقد ہونے والے اجتماع، اس کے مقاصد، شرکاء کے نام اور قطعی تاریخ پر بھی گفتگو کی گئی، اس اجتماع کے لیے ۵، ۶؍مارچ ۲۰۱۴ء طے کیا گیا تھا، لیکن اب شرکاء سے مشورہ کے بعد اسے قطعی شکل دے دی جائے گی، نیز یہ بات طے کی گئی کہ اس موقع پر جامعہ کے وسیع میدان میں ایک اجلاس عام بھی منعقد کیا جائے گا۔

☆☆☆

عالم اسلام

ہم جنسی کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم:

ہندوستان کے تمام مذاہب نے آرٹیکل ۳۷۷ سے (ہم جنسی کے خلاف) متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے اور حکومت کو متنبہ کیا ہے کہ وہ ہم جنسی کے حق میں قانونی جواز فراہم نہ کرے۔

نئی دہلی میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، جین کے مذہبی رہنماؤں نے کہا کہ آرٹیکل ۳۷۷ پر عدالت عظمی کا فیصلہ نہ صرف اس ملک کی مشرقی روایات اور اخلاقی اقدار نیز مذہبی تعلیمات کے عین مطابق ہے، بلکہ یہ فیصلہ دہلی ہائی کورٹ کے فیصلہ سے مغربی تہذیب کی بو، خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور سماجی زندگی کے انتشار کا جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، سپریم کورٹ کے تازہ ہم جنسیت کے خلاف فیصلے نے تہذیب وتمدن کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جوڑنے کا کام کیا ہے۔ (اخبار تحقیق، جنوری ۲۰۱۴ء)

فلپائن کے مندانو خطہ میں مسلمانوں کی خود مختاری:

فلپائن حکومت اور مورو لبریشن فرنٹ کے مابین تاریخی معاہدہ ملیشیا کے صدر مقام کوالالمپور میں تکمیل پا گیا ہے، جس کی رو سے چار دہائیوں سے چلنے والی لڑائی کا خاتمہ ہو جائے گا، اور فلپائن کے جنوبی مسلم اکثریتی خطہ میں مسلمانوں کو خود مختاری مل جائے گی۔ علاوہ ازیں خود مختار خطہ میں فوج کی موجودگی محدود کر دی جائے گی۔ اس معاہدے کو انجام پانے کے بعد اب سب کی نگاہیں اس بات پر ہے کہ اس معاہدہ کا نفاذ کس طرح کیا جاتا ہے۔ (عالمی سہارا، جنوری ۲۰۱۴ء)

نماز پڑھنے سے انکار کی بنا پر.....

سویڈن میں نماز پڑھنے سے انکار کرنے پر اپنے بچہ کو تھپڑ مارنے والے ایک ملیشیائی جوڑے کو بغیر کوئی فرد جرم عائد کیے ایک ماہ کے لیے ریمانڈ پر بھیج دیا گیا، جس کے بعد سے ملیشیائی مسلمانوں نے اس جوڑے کی حمایت میں زبردست مہم کا آغاز کر دیا ہے۔ واضح ہو کہ سویڈن میں بچوں پر ہاتھ اٹھانے کے تعلق سے سخت قانون ہے، جس کی رو سے ایسا کرنے والے والدین کو اپنے ہی بچوں کی پرورش سے محروم کیا جا سکتا ہے، جبکہ ملیشیائی مہم چلانے والے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ بچوں میں اسلامی اقدار کے لیے والدین کی طرف سے تھپڑ مارا جانا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ ادھر ملیشیائی حکومت کا کہنا ہے کہ ہم اس معاملہ کی سفارتی سطح پر حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (انقلاب: ۲۵/۱/۲۰۱۴ء)

برطانیہ میں مسلمانوں پر حملوں میں اضافہ:

برطانیہ میں لی رگبی کے قتل کے بعد سے مسلمانوں کے خلاف جرائم کے ریکارڈ میں اضافہ ہوا ہے، صرف لندن میں امسال اب تک مسلمانوں پر حملے کے ۵۰۰ واقعات رونما ہو چکے ہیں، جبکہ مانچسٹر میں یہ تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے، جس کا انکشاف میٹروپولیٹن پولیس کے اعداد وشمار سے ہوا ہے، تاہم برطانیہ کے چند علاقوں میں مسلمانوں پر حملے کم ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ گذشتہ سال انتہا پسند تنظیم ڈیفنس لیگ نے لی رگبی کے قتل کے بعد ملک بھر میں مظاہرے کیے تھے، جن میں مسلمانوں کے خلاف زبردست اشتعال انگیزی کی گئی تھی۔ یہ تنظیم مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرنے کے ساتھ برطانوی معاشرہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا رہی ہے۔ (اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، ۶/جنوری ۲۰۱۴ء) ☆☆

باب الفتاوی

سوال: بعض معاشرے میں بہت سے حضرات ولدیت تبدیل کراتے ہیں، یعنی اپنے حقیقی باپ کے نام کی جگہ کسی دوسرے شخص کا نام لکھتے ہیں یا کہتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ سوال میں مذکور طریقہ قرآن وسنت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، زمانۂ جاہلیت میں متبنی/ لے پالکوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے کا چلن عام تھا، جو ابتدائے اسلام میں بھی موجود رہا، حضرت زید بن حارثہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پالا تھا، اسی پالنے اور پرورش وپرداخت کی بنا پر صحابہ کرامؓ حضرت زید بن حارثہؓ کو زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارتے تھے، اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت کریمہ نازل کی: ﴿ادعوھم لآباء ھم ھو أقسط عند اللہ فإن لم تعلموا آباء ھم فإخوانکم في الدین ومواليكم﴾ (الاحزاب:۵) ترجمہ: لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف منسوب کرکے بلاؤ، اللہ تعالی کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد حضرت زید بن حارثہؓ کو زید بن محمد (ﷺ) کے بجائے ان کے حقیقی باپ حضرت حارثہ کی طرف منسوب کرکے پکارا جانے لگا۔ اللہ رب العالمین نے اس آیت کو نازل کرکے جاہلی رسم کی ممانعت کردی اور ساری نسبتیں ختم کرکے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرکے بلانے کا حکم دیا، اور جس کی نسبت کا علم نہ ہوسکے تو اس کو بیٹا کہہ کر پکارنے کے بجائے بھائی اور دوست کہہ کر پکارنا چاہیے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں حکم دیا گیا، رسول اکرم ﷺ نے زید بن حارثہ سے فرمایا تھا: "أنت أخونا ومولانا" (بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء ح ۴۲۵۱) آپ ہمارے بھائی اور دوست ہیں۔

اس حرمت وممانعت کے باوجود جو شخص جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا، اور ایسے شخص پر جنت بھی حرام ہوجائے گی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عن سعد رضي اللہ عنه قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من ادعی الی غیر أبیه وھو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام" (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر أبیہ: ۶۷۶۶) ترجمہ: حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کی طرف منسوب کیا اور وہ جانتا بھی ہے کہ وہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔

اسی طرح ایک روایت صحیح مسلم میں ہے جس کے راوی حضرت ابوذرؓ ہیں، آپؓ نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "لیس من جل ادعی لغیر أبیه وھو یعلمه، الا کفر، ومن ادعی ما لیس له فلیس منا، ولیتبوأ مقعده من النار" (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیہ المسلم: یا کافر، ح:۶۱) ترجمہ: جس شخص نے جانتے ہوئے بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی اس نے کفر کیا، اور جس نے کسی ایسی چیز کا دعوی کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ

ہم میں سے نہیں ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں حضرت مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ادعى إلى غير أبيه" أي نسبه إلى غير أبيه الا كفر، كفرا مخرجا عن الإسلام إن كان مستحلا له وإلا فقد كفر النعمة والإحسان وحق الله وحق أبيه وهذا كما قال ﷺ عن النساء يكفرن ثم فسره بكفرانهن الإحسان وكفران العشير" (منۃ المنعم: ۱/۹۱) ترجمہ: جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف حلال سمجھتے ہوئے نسبت کی تو اس نے ایسے کفر کا ارتکاب کیا جو اسلام سے خارج کرنے والا ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس نے اللہ اور اپنے والد کے حق کو فراموش کیا، یعنی کفران نعمت کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے کفر کے بارے میں فرمایا، پھر اس کی تفسیر احسان فراموشی اور کفران عشیر سے کی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من ادعى إلى غير أبيه لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها ليوجد من مسيرة خمس مائة عام" (الصحیحۃ ح ۲۳۰۷، الروض النضیر: ۵۸۷) صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۰۳۷، ح ۵۹۸۸) ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا اور بلاشبہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے پائی جائے گی۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور احادیث صحیحہ وصریحہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا تحریری طور پر ہو یا زبانی طور پر بہرصورت حلال نہیں، اور جو شخص جاننے اور بوجھنے کے باوجود اپنے آپ کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

ہاں جس شخص کے باپ کا علم نہ ہو تو اسے بیٹا کہنے کے بجائے بھائی یا دوست کہہ کر پکارا جائے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی چھوٹے بچے سے محبت اور پیار سے بیٹا کہے تو وہ الگ بات ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بعض معاشرے میں متبنی / لے پالک شخص کو وارثین کی طرح میراث کا حقدار سمجھا جاتا ہے اور بطور وارث حق دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں واضح ہو کہ ایسا کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ پالا ہوا لڑکا پالنے والے شخص کا (صرف اس پالنے کی وجہ سے) وارث نہیں بن سکتا ہے الا یہ کہ وراثت سے متعلق کوئی نسبت پائی جائے۔ پالنے والا شخص (متبنِّی) پالا ہوا شخص (متبنّٰی) کو اپنی زندگی میں قانون ہبہ کے مطابق اپنی جائداد سے کچھ بطور ہدیہ دے سکتا ہے یا اپنی آخری عمر میں اپنی جائداد کے تہائی حصہ میں سے جتنا وہ مناسب سمجھے وصیت کر سکتا ہے۔ تہائی سے زیادہ کی وصیت شرعاً درست نہیں ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ اپنے حقیقی لڑکے اور لے پالک (متبنّٰی) لڑکے کے مسائل میں بہت فرق ہے۔ اس فرق کو برقرار رکھنا چاہیے۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس